تخار العلماء
ترتیب:
ادیب الهندی

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون



افتخار العلماء

ترتیب:

ادیب الہندی

نام کتاب ــــــــ افتخار العلماء
ترتیب ــــــــ ادیب الہندی
کتابت ــــــــ الخطاط لکھنؤ
ناشر ــــــــ سازمان امام مہدیؑ پوسٹ بکس نمبر ۴۔ چوک۔ لکھنؤ
مطبع ــــــــ نامی پریس۔ لکھنؤ
تعداد ــــــــ ایک ھزار

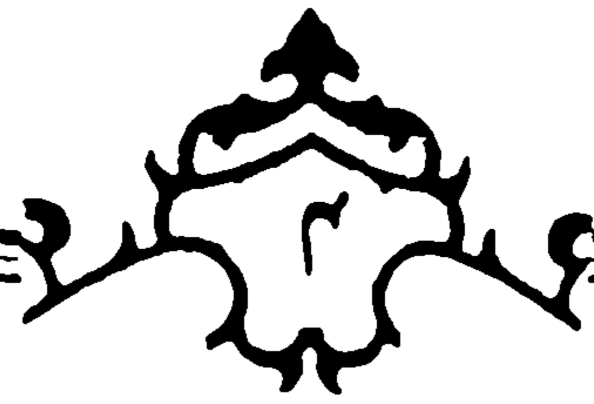
ملنے کے پتے

سازمان امام مہدیؑ۔ پوسٹ بکس نمبر ۴ چوک، لکھنؤ ۳
شیعہ مشن۔ معصوم منزل ۳۹/۵۵ شہید نجف، رستم نگر۔ لکھنؤ

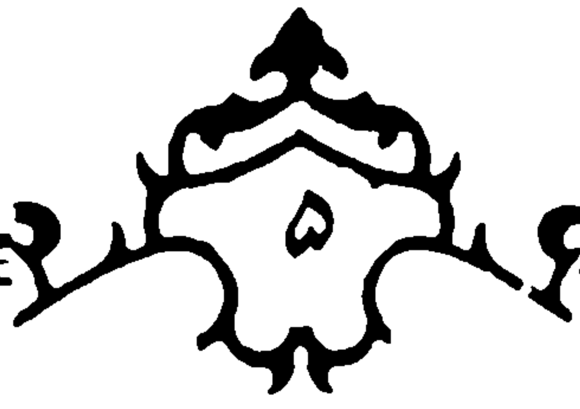
پیش لفظ

زیر نظر کتابچہ وقت کی اہم ترین ضرورت محسوس کر کے ترتیب دیا گیا ہے۔ افتخار العلماء اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں علماء اور مومنین کے باہمی تعاون سے تشیع کیلئے ایک مفید، دیرپا اور موثر اقدام کے لیے انتہائی فکرمند تھے۔ اس مقصد کے لیے بروز عید مباہلہ "مجلس علماء و واعظین" کی تشکیل ہوئی اس سلسلے میں تمام علماء کے نام دعوت نامے پر آپ نے اپنے دست مبارک سے آخری دستخط فرمائی۔ اور یہ خدمت اس حقیر سے متعلق ہوئی لیکن آپ کے سانحۂ ارتحال کی وجہ سے دعوت نامہ ارسال کرنے کا کام تاخیر کا شکار ہو گیا یہ سطور اس تاخیر کی تلافی کے بطور سپرد قلم کی جا رہی ہیں۔ راقم السطور پر مرحوم کی شفقتیں بے اندازہ تھیں۔ میرے ذاتی معاملات سے پوری طرح دلچسپی رکھتے ہی تھے۔ ساتھ ہی مجھ سے متعلق تمام امور کی طرف خصوصی توجہ کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ مدرسۃ الواعظین کے افسوسناک معاملے میں تو خصوصی انہماک دکھایا بلکہ آپ انتہائی حساس ہو گئے تھے۔ مجلس منتظمہ کے ممبر کی حیثیت سے وہاں کی مہمل اور بے سرو پا باتوں پر اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ علالت کی وجہ سے بنفس نفیس منتظمین کو متنبہ نہیں فرما سکتے تھے اس لیے تحریری بیان سے متوجہ فرمایا۔ لیکن وہ مدرسہ جسے میں نے حضرت ولی عصر عج کی سرپرستی میں چلنے والا ایک ادارہ سمجھا تھا۔ جس کی نشاۃ ثانیہ کے لیے میں نے دن رات ایک کر رکھا تھا وہی مدرسہ مجھے چند ارباب ثروت کی ذاتی جاگیر نظر آئی۔

پہلے تو مجھ سے خستہ حال مدرسہ کی تعمیر کے لیے کوشاں ہونے کی فرمائش کی گئی اور جب کام شروع ہو گیا تو مجھ سے تعمیری کمیشن طلب کیا جانے لگا۔ جس کا تحریری ثبوت میرے پاس موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ میں اس کی ادائیگی سے قطعاً معذور تھا۔ پھر تو طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کی جانے لگیں۔ مگر میرے پیش نظر کسی انسان



کی خوشنودی یا برہمی نہیں تھی۔ صرف رضائے پروردگار کے لیے اپنا کام کر رہا تھا۔ اس درمیان حاسدوں اور بدخواہوں نے جو کچھ جلتے پر تیل کا کام کیا۔ مقتدر اور ذمہ دار حضرات نے تہذیب و شرافت سے گری ہوئی تحریریں لکھیں اور ناروا الزامات لگائے۔ کچھ باضمیر طلبہ کو بے بنیاد الزامات لگا کر مدرسہ سے علیحدہ کیا گیا۔ مولوی اقتدا حسین صاحب کو ان کی علالت کے باوجود بلا کر میٹنگ کے معاملے میں ان سے گستاخی کی گئی۔ اور بھرے مجمع میں ان کے سامنے سرکار افتخار العلما کو نازیبا کلمات کہے گئے۔ مختلف القاب سے نوازا گیا۔ مولانا محمد جابر صاحب قبلہ واعظ جنھوں نے الواعظ کی دن رات خدمت کی صحافت کی ادارت سے کنارہ کش ہونے پر مجبور ہوئے۔ واعظین کرام جو تبلیغ کی سخت صعوبتیں برداشت کرتے رہتے ہیں۔ ان کو صرف حق گوئی کے جرم پر سبکدوش کر دیا گیا۔ ان تمام حادثات پر اہل علم کی مکمل خاموشی حوصلہ شکنی کا موجب بن گئی تھی۔ میں نے ان تمام الزامات کے جوابات دیدیئے تھے اور تمام ممبران کو بھی دکھا دیا تھا کہ سارے حسابات مدرسہ میں موجود ہیں اور تعمیر کی تحریری اجازت بھی موجود ہے۔ آخر میں کوئی چارہ نہ دیکھ کر صرف اپنی بات رکھنے کے لیے کچھ بااثر علمی حضرات کے واسطے سے استعفیٰ طلب کیا گیا تاکہ معاملہ دب جائے۔ میرے انکار پر ایک میٹنگ میں یہ طے کیا گیا کہ مدرسہ میں صرف ایک ہی مدرس رہتا آیا ہے اور میرا تقرر ضیاء الملت مرحوم کی علالت کی بنا پر ہوا تھا اب موجودہ پرنسپل کو کسی مددگار کی ضرورت نہیں اس لیے خدمات کا اعتراف کر کے اس جگہ کو ختم کیا جاتا ہے ——— حالانکہ مدرسہ میں ہمیشہ ہی دو مدرس رہے اور تیسرے مدرس کے لیے بھی منظوری مل چکی تھی۔ میری تقرری حجۃ الاسلام، ضیاء الملۃ مولانا وصی محمد صاحب مرحوم کی علالت کی بنا پر نہیں ہوئی تھی بلکہ صورت حال یہ تھی کہ نادرۃ الزمنؒ کے انتقال کے بعد ضیاء الملت پرنسپل بنائے گئے۔ اور مجھے ان کی جگہ پر خود بلا لیا گیا اور تدریس کے ساتھ ساتھ تعمیری امور کی درخواست کی گئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ میرے ہٹتے ہی دوسرا مدرس بھی بلا لیا گیا۔ پھر یہ بھی کہ ایک طرف تو خدمات کا اعتراف ہے اور دوسری طرف الزامات۔ اس میں کچھ ایسے افراد بھی میدان میں دیکھے گئے جن کی قد آور شخصیت پر یہ



باتیں پھبتی نہیں۔

افتخار العلماء ان تمام باتوں سے کبیدہ خاطر تھے۔ ان کے سامنے مدرسہ کی شاندار روایت تھی۔ جسے خود پسندی داغدار بنا رہی تھی میں نے افتخار العلماء ہی کی طرح ان حالات پر صبر کیا

فصبرتُ فی العین قذی وفی الحلق شجی

خداوند عالم اس مدرسہ کو تمام داخلی و خارجی آفات و حوادث سے محفوظ و مامون رکھے۔

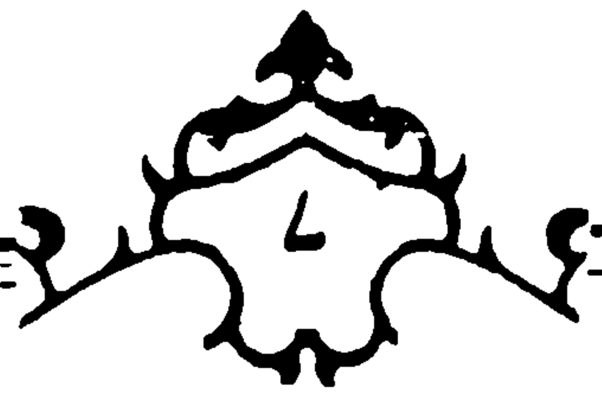
آخر میں اس کتابچہ کی تیاری میں جن حضرات نے تعاون فرمایا ان کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ خاص طور سے دوست عزیز مولانا علی اختر، صاحب شعور گوپال پوری۔ حجۃ الاسلام مولانا علی عباس صاحب (خویش مرحوم) کا بے حد ممنون ہوں جنھوں نے مواد کی فراہمی اور کتاب کی ترتیب و تدوین میں ہر ممکن مدد فرمائی۔ اسکے علاوہ حجۃ الاسلام مولانا ظہیر احمد صاحب افتخاری اور ان کے برادر خورد مولانا محمد مہدی افتخاری کا بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے سرکار افتخار العلماء کے مسودات اور ان کی خود نوشت سوانحعمری مجھے عنایت کی۔ جس کی بنیاد پر حالات زندگی لکھے گئے۔

فقیہ عارف

سرکار افتخار العلماء مولانا سعادت حسین خاں صاحب قبلہ مجتہد العصر و الزمان اعلی اللہ مقامہ کے حالات زندگی چوراسی سال کے طویل عرصے میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ان بکھرے نکھرے نقوش کو یکجا کرنے کی کوشش ایک دشوار گزار مرحلہ ہے۔ علم و دانش سے بھرپور ان مجاہدانہ سرگرمیوں میں شجاعت و سماحت تدبر و تفکر، سکینہ و وقار، حزم و احتیاط، رضا بالقضا، استغنا، توکل و تفویض، تسلیم و رضا، صبر و شکر، زہد و عبادت، ورع و تقویٰ، اخلاص و انابت، ایثار الحق علی الباطل کے شاندار و جاندار نمونے آفتاب تازہ کی طرح بھٹکے ہوئے اور فرائض سے غافل لوگوں کو راستہ دکھانے کے لیے زندگی کے ہر موڑ اور ہر سطح پر موجود ہیں۔

ایک فقیہ کی زندگی ولایت کا اعلان ہوتی ہے۔ انبیاء کی زندگی کا نمونہ، آئمہ کے احساسات و جذبات کا پرتو، قرآن کے الفاظ کا مفہوم و مطلب ——— اس لیے اس کی پاکیزہ زندگی کا احاطہ عصری تشنگی کے لیے آب حیات کے مترادف ہے۔

قرآن کا اعلان ہے کہ ہر عہد اور زمانے میں خدا کی حجت ضرور ہوتی ہے آج وہ حجت حضرت ولی عصرؑ اور ان کے جانشین علماء ہیں۔ یہ علماء انبیاء کی طرح خدا کے بندوں کو خوف و رجا کے تاثرات سے شاداب اور تقویٰ و پرہیزگاری سے سرشار کرتے ہیں تاکہ ان پر زمین و آسمان سے برکتوں کے دہانے کھل جائیں۔ وہ بتاتے رہتے ہیں کہ خدا کی تدبیروں سے بے خوف ہو جانا خسران مبین ہے۔ زمانۂ نبوت میں یہ کام انبیاء نے انجام دیا۔ ان کے بعد یہ خدمت آئمہ معصومین انجام دیتے رہے۔ انقطاع و انسداد باب العلم کے بعد یہ ذمہ داری علماء نے سنبھال رکھی ہے۔ وہ ہدایت و فرقان کی مشعل لیے قریوں قریوں، شہروں



شہروں اپنوں بیگانوں کو دولت عرفان لٹاتے رہتے ہیں۔

قرآن میں اولوالعزم انبیاء کے دو نمایاں ترین اسلحے بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ واذ آتینا موسی الکتاب والفرقان لعلکم تھتدون بقرہ ۵۳

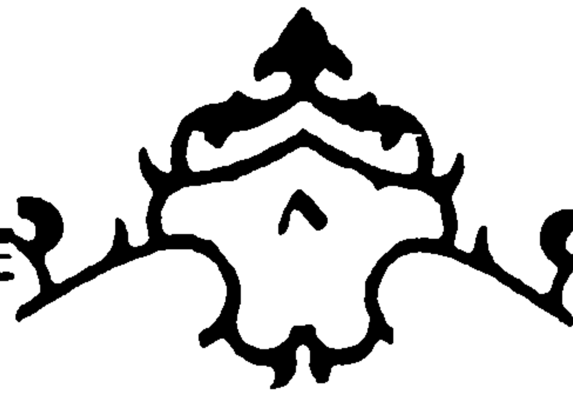
اور جب ہم نے موسی کو کتاب اور فرقان عطا کیا تاکہ تم سیدھے راستے پر چلتے رہو

۲۔ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا فرقان ۱

انتہائی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے محمد پر فرقان نازل کیا تاکہ لوگوں کو ڈرایا جائے۔

حضرت موسیٰ اور خاتم النبین صاحبان شریعت وکتاب تھے۔ ان دونوں کو فرقان عطا کیا گیا حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی عظیم امتیازی دولت !!! اس دولت سے تمام علماء حق پوری طرح بہرہ یاب رہے۔ اس کے اظہار و اعلان میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کرنا ان کا امتیازی شعار رہا۔ اس سلسلے میں اگر کسی کے آبگینۂ احساس کو ٹھیس پہونچتی ہے تو پہونچے وہ اعلاء کلمۃ الحق میں کسی سستی و کاہلی کو عہد خداوندی سے انحراف تصور کرتے ہیں۔ اپنے عقائد ومسلمات کے برملا اظہار سے کسی کے دل کو چوٹ پہونچتی ہے تو اس کی خفگی کے ڈر سے اپنی متاع گراں بہا دفن نہیں کر دیتے۔ اس کا دل دیکھیں کہ اپنی پونجی کا خیال کریں۔ علماء اس معاملے میں صرف خدا اور آئمہ معصومین کی خوشنودی پیش نظر رکھتے ہیں انبیاء نے بھی کلمۂ حق کے سلسلے میں طاقت و اقتدار کا خوف یا مخالفین کی لعن طعن کے پیش نظر موقع پرستوں کے مفادات کی نگہداشت نہیں کی۔ جناب موسیٰ جس وقت فرعون کے دربار میں خدا کی ربوبیت کا ڈنکہ بجا رہے تھے تو فرعون نے مرعوب کرنے کے لیے تحقیر آمیز گفتگو شروع کر دی۔ لیکن کیا پھر جناب موسی نے روا دارانہ تقریر شروع کر دی۔؟

حضرت خاتم النبین کی تبلیغی جدوجہد ابھی بالکل ابتدائی مرحلے میں تھی۔ بے یار و مددگار تھے لیکن اسی حالت میں وقت کے سب سے بڑے طاغوت ابولہب کو للکارا۔ حالانکہ وہ خاندان کا بزرگ



تھا۔ حجاز کی تجارت پر اس کا قبضہ تھا۔ سب سے بڑے مفسد خاندان بنی امیہ سے اس کی نسبی قرابت بھی تھی۔ سماج کے اعلیٰ طبقے میں اس کا اثر و رسوخ تھا لیکن اظہار نفرت اور باطل بیزاری کا لہجہ ذرا بھی مدھم نہ ہوا۔

تبت یدا ابی لھب وتب ما اغنی عنہ مالہ وما کسب سیصلی نارًا ذات لھب

ٹوٹ گئے ابولہب کے دونوں ہاتھ۔ وہ قطعی ناکام ہو گیا۔ نہ اس کی دولت اس کے کام آئی نہ اس کی کمائی نے فائدہ پہونچایا۔ وہ بہت جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

قرآن نے ابو الہب کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی نہیں بخشا۔ اسے انتہائی سخت لقب سے نوازا پھر اس کی پست حرکتوں کو جزا کے طور پر بیان کر کے نفرت کا لہجہ تلخ تر بنایا۔

وامراتہ حمالۃ الحطب فی جیدھا حبل من مسد اس کی بیوی لکڑیاں ڈھونے والی۔ لگائی بجھائی کرنے والی ـ اس کی گردن میں کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہے۔ تفسیر، تاریخ اور سیر کی کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ اس تلخ و تند لہجے پر مشتمل سورۃ کے نازل ہونے کے بعد اہل ایمان نے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس کی ہو۔ وہ برملا اس سورۃ کو پڑھتے رہے۔ علی الاعلان پڑھتے رہے اور لوگوں کو سناتے رہے۔ کسی نے بھی اس سورۃ کے پڑھنے میں آہنگ مدھم کرنے کا مشورہ نہیں دیا۔ اس سورۃ پر غصہ آیا تو ام جمیل کو مسلسل انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔

علماء حق بھی نبوت کے ورثہ دار ہوتے ہیں۔ وہ معاشرے میں کردار و مقصد نبوت کے رسوخ کی مخلصانہ جدوجہد کرتے ہیں۔ ان کی نظر سیرت انبیاء پر ہوتی ہے اپنے ذاتی مفادات پر نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں وہ مادی نتائج سے زیادہ معنوی نتائج کی طرف نگراں ہوتے ہیں۔ چند روزہ دنیا میں اپنی پذیرائی سے زیادہ آخرت کی سعادتوں اور آئمہ معصومین کی خوشنودی کے لیے فکرمند ہوتے ہیں۔ ایسے ہی علماء دراصل کائنات کے توازن کا سبب ہوتے ہیں۔

سورہ اعراف میں انبیاء کی غرض بعثت کو ایک تمثیلی پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ تمثیل، تشبیہ یا استعارے سے معنوی عمق ذہن سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ معقولات آسانی سے محسوسات میں اتر جاتے ہیں۔

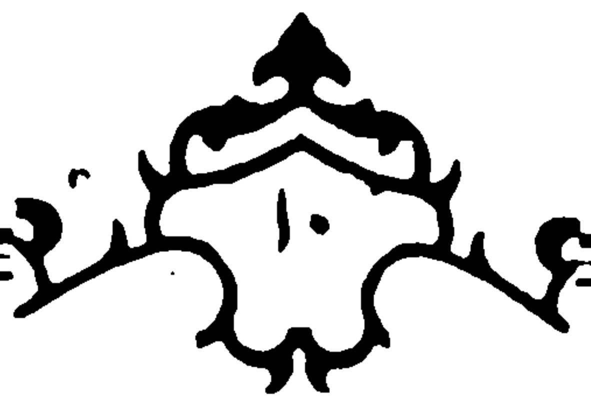
ھوالذی یرسل الریاح بشیرا بین یدی رحمتہ حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقنہ لبلد میت فانزلنا بہ الماء فاخرجنا بہ من کل الثمرات کذالک نخرج الموتی لعلکم تذکرون والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ والذی خبث لایخرج الانکدا

وہ خدا وہی تو ہے جو اپنے باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب ہوائیں پانی سے لبریز بوجھل بادلوں کو اٹھا کرلے آتی ہیں تو ہم انھیں مردہ زمینوں کی طرف ہنکا کرلے جاتے ہیں۔ بعد ازاں ان سے پانی برساتے ہیں اس کے ذریعے سے ہر قسم کے پھل پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم قیامت کے دن مردوں کو زندہ کریں گے۔ اور جو عمدہ زمین ہوتی ہے اسکی پیداوار بحکم خدا خوب اچھی نکلتی ہے۔ اور جو خراب ہوتی ہے اس کی پیداوار بہت کم نکلتی ہے۔

اس تمثیل میں رسالت کی برکتوں، اس کے ذریعے اچھے برے کا فرق غلط صحیح کا معیار اور خوب و زشت کی پہچان بتائی گئی ہے۔ ابر رحمت چھا جاتا امرت بھری بوندوں کا برسنا۔ اس بارش سے مردہ زمین میں جان پڑ جانا پھر اس کے بطن سے زندگی کے خزانے ابلنے کی بڑی نفیس و لطیف مثال دی گئی ہے۔

جس طرح بارش سے زرخیز اور بنجر ہر قسم کی زمین سیراب ہوتی ہے۔

لیکن بارآور صرف زرخیز زمین ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح نبوت سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جن کے دل پاکیزہ اور استعداد و صلاحیت سے معمور ہوتے ہیں

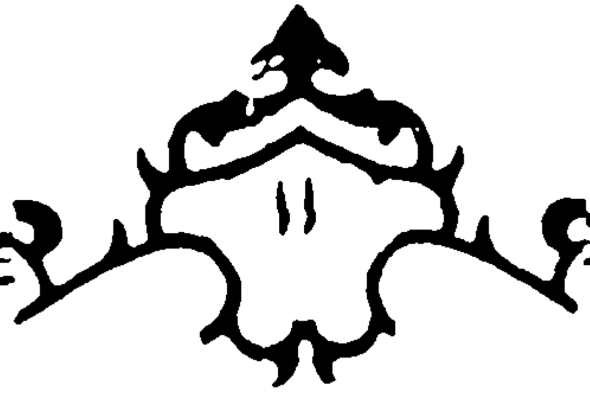


رسالت مآبؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے ہدایت و دانش کے مبعوث ہونے کی مثال بارش کی ہے۔ بارش کا کچھ حصہ تو ہموار زمینوں کو سیراب کرتا ہے۔ اس سے ہریالی پھیلتی ہے۔ کچھ لوگ اس پانی کو جمع کرکے پینے کے کام میں لاتے ہیں اپنی کھیتیوں کو سیراب کرتے ہیں اور کچھ حصہ ایسے پتھریلے ڈھلانوں پر برستا ہے جہاں نہ پانی جمع کیا جاسکتا ہے نہ وہ زراعت کے لیے سود بخش ہوتا ہے۔ ہریالی بھی ہوتی ہے تو غیر مفید

میرے دین و شریعت کے متعلق بھی لوگوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کچھ لوگ ہیں کہ میری تعلیمات کو یاد کرلیتے ہیں لیکن دوسروں کو فائدہ نہیں پہونچاتے دوسرے وہ لوگ ہیں کہ میری تعلیمات کو یاد بھی کرتے ہیں اور دوسروں کو بہرہ مند بھی کرتے ہیں کہ تیسرے ایسے بدقسمت ہیں جو نہ تو خود فائدہ اٹھاتے ہیں نہ دوسروں کو فائدہ اٹھانے دیتے ہیں۔

علماء، فقہاء اور علوم آئمہ کے ورثہ دار آج کے دور میں اسی طرح ہمارے لیے حجت ہیں جس طرح انبیاء اپنے وقت میں خدا کی حجّت سند اور مطاع تھے۔ ایسے حقیقی علماء اپنے فیضان کے اعتبار سے ابر باراں کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ اپنی محنتوں اور جانفشانیوں سے زمین پر قانون الٰہی کے اجراء کا ماحول سازگار کرتے ہیں۔ اپنی سطح پر معاشرے میں حکم خداوندی کا اثر و رسوخ پیدا کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ انکی اپنی محنت ایک سمت میں ہوتی ہے۔ کچھ لوگ اس سے خود فائدہ اٹھاتے ہیں دوسروں کو بہرہ مند نہیں کرتے کچھ اپنی ذات کو بھی روحانیت سے شاداب کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی سیراب کرتے ہیں۔ اور کچھ بدقسمت ان تعلیمات سے قطعی بے تعلق ہوتے ہیں۔ یہ تیسری قسم اپنوں میں بھی ہوتی ہے اور بیگانوں میں بھی۔ بیگانے دانش و ہدایت سے بے تعلق ہونے کی بناء پر نظر انداز کرتے ہیں۔ لیکن اپنوں کی بے تعلقی تعصب، تنگ نظری، طبقہ بندی اور نظریاتی مخالفت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

افتخار العلماء کے کردار میں تفقہ، تقدس روحانیت اور اجتہادی بصیرت کا تمام تر جلال و جمال موجود تھا وہ اس اعتبار سے مکمل فقیہ تھے کہ لوگوں کو خدا کی رحمت سے مایوس نہیں کرتے تھے۔ اور خدا کی تدبیر و



سے بے خوف نہیں بناتے تھے۔ ان میں علم بھی تھا۔ حلم بھی تھا اور صحت بھی ان کے قلب میں ہدایت وارشاد کی شمع روشن تھی۔ ان کا یقین سورج کی شعاعوں کی طرح تھا۔ وہ اپنی نظر سے دیکھتے تھے اور بصیرت کو کام میں لاتے تھے۔ وہ لایعنی باتوں سے قطعی پرہیز کرتے تھے۔

ایک مہربان طبیب کی طرح یتیمان آل محمد کے فکر ونظر اور عمل کی صحت کے لیے ہر نفس کوشاں رہتے تھے۔ رسول اکرم نے ایسے علماء کی قربت کا حکم دیا ہے جو تکبر کے بجائے تواضع پیدا کریں۔ ریا کاری کے بجائے اخلاص کی پرورش کریں۔ شک کے بجائے یقین کی دولت سے مالا مال کریں۔ دنیا داری کے بجائے زہد کی تعلیم دیں۔ عداوت کے بجائے نصیحت کا رویہ اختیار کریں۔

افتخار العلما کی سیرت میں یہ انداز پوری طرح درخشاں تھا۔

ان رسول اللہ قال ثلاثۃ یشفعون الی اللہ یوم القیامۃ فیشفعھم الانبیاء ۔ثم العلماء ثم الشھداء

رسولخدا نے فرمایا۔ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں تین طبقے لوگوں کی شفاعت کریں گے اور خدا ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ انبیاء پھر علماء اور اس کے بعد شہداء

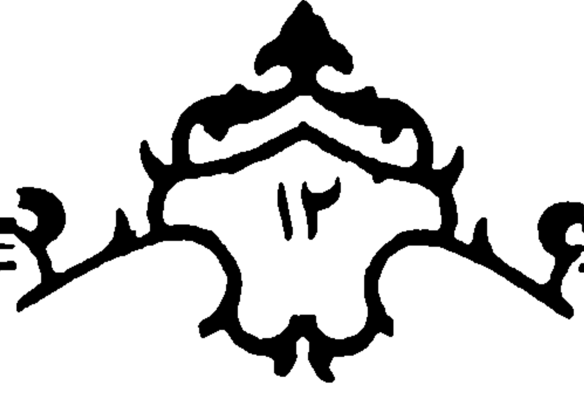
عن امیرالمومنین قال فقیہ واحد اشد علی ابلیس من الف عابد

امیرالمومنین نے فرمایا۔ اکیلا فقیہ ابلیس کے لیے ایک ہزار عابدوں سے سخت تر ہے۔

عن علیؑ قال قال رسول اللہؐ اذا کان یوم القیامۃ وزن مداد العلماء بدماء الشھدا فیرجح مداد العلماء علی دماء الشھداء

حضرت علی کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت میں علماء کی روشنائی کو شہداء کے خون کے مقابلے میں وزن کیا جائے گا تو علماء کی روشنائی کا پلہ شہداء کے خون کے مقابلے میں گراں تر رہے گا۔

قال امیرالمومنین المومن العالم اعظم اجرامن الصائم القائم الغازی فی سبیل اللہ



واذامات ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسدھا شیئی الی یوم القیامۃ۔

امیرالمومنین نے فرمایا مومن عالم کا اجر روزہ دار، عابد شب زندہ دار اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جب وہ مرتا ہے تو اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے کہ قیامت تک استوار نہیں ہوتا۔

یہ تمام احادیث افتخار العلماء کا سراپا تیار کرتی ہیں۔ ان کے مفاہیم سے جو پیکر تیار ہوتا ہے اس پیکر نے نصف قرن سے زیادہ دین اسلام، شریعت، تشیع اور علوم آل محمد کی نشر و اشاعت کا مخلصانہ فریضہ انجام دیا۔

نام ـــــــــ اسمار کا اثر انسان کی سیرت پر جزوی سہی پڑتا ہے اور ضرور پڑتا ہے اسی لئے حدیثوں میں اچھے نام رکھنے کی تاکید کی گئی ہے اور اسے والدین پر بچوں کے حق سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ افتخار العلماء کا نام ان کے والدین نے فقیر حسین رکھا تھا ۔ یہ نام دیہات کی طبعی خاکساری، انکساری اور امام حسینؑ سے والہانہ عقیدت کا غماز تھا ۔ اسی نام سے وہ اپنے گھر اور وطن میں مشہور ہوئے لیکن جب گھریلو تعلیم ختم کر کے اعلیٰ تعلیم کے لئے لکھنؤ پہونچے تو ان کا نام شفیق استاذ نے بدل کر سعادت حسین کر دیا ۔ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں فرماتے ہیں :

" والدین نے میرا نام فقیر حسین رکھا ۔ لیکن جب میں جامعہ ناظمیہ میں داخل ہوا تو استاد سید ہادی حسن صاحب مرحوم نے جو علم جفر کے ماہر تھے اسے بدل کر سعادت حسین کر دیا ۔ اس وقت سے میں اسی نام سے مشہور ہوں "۔

قرائن بتاتے ہیں کہ نام کی تبدیلی شعوری تھی ۔ بعد کے حالات نے اس کی تصدیق کی ۔ شاید اسی نام کی برکت نے افتخار العلماء کی زندگی میں دنیا و آخرت کی سعادتوں کے دروازے کھول دیئے ۔

والد کا نام :- آپ کی خود نوشت سوانح عمری کے مطابق آپ کے والد ماجد کا نام منور حسین خاں تھا جو امہٹ ضلع سلطانپور سے تعلق رکھتے تھے ۔

ولادت :- آپ نے اپنی ولادت خود اپنے قلم سے ۲۱ صفر ۱۳۲۵ھ تحریر فرمائی ہے ۔ حالانکہ صاحب الذریعہ آغا بزرگ تہرانی نے آپکی تاریخ ولادت حدود ۱۳۳۰ھ لکھی ہے ۔ افتخار العلماء نے اپنی ایک کتاب کے سلسلے میں صاحب الذریعہ کے مقام طباعت کے اشتباہ کا تو تذکرہ کیا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا ۔ لیکن اپنی تاریخ ولادت کی غلطی پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا ہے ۔ شاید وہ اس طرف متوجہ نہیں ہوئے ۔

خاندانی حالات :- افتخار العلماء نے وراثت میں شجاعت و حق پسندی کا وافر حصہ پایا ہے آپ کے خاندانی حالات میں ان صفات کی فراوانی ہے ۔ عبرت و نصیحت کے جذبے کے ساتھ خود

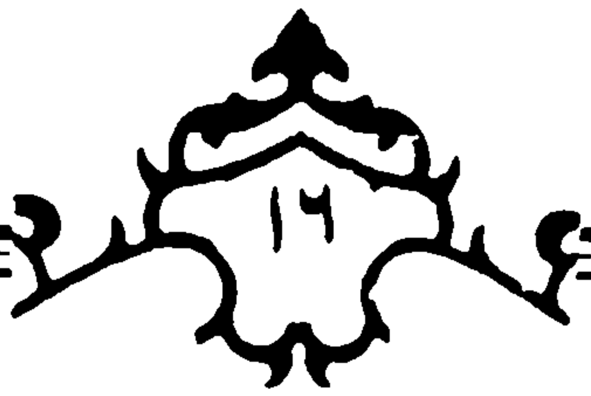
انھیں کی زبان سے سنئے :

" ہمارے جد اعلیٰ بریار سنگھ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کی اولاد میں جو مسلمان ہوئے تھے وہ آجکل سلطانپور اور پرتابگڈھ میں آباد ہیں۔ مسلمان ہونے کے بعد بریار سنگھ کا نام بریار خاں ہو گیا تھا.... ......بریار خاں کی مسلم اولاد ان اضلاع میں ہزاروں کی تعداد میں ہے۔ لیکن سوائے راجہ حسن پور موضع منیارپور اور امہٹ کے سب ہی سنّی ہیں۔ امہٹ میں تشیع ہمارے دادا کے دادا بخشی خاں کے سبب سے آیا۔ اس لئے کہ انہوں نے خود ہی سرور عالم کی زیارت کی تھی۔ مگر جب حضرت کو سلام کیا تو حضرت نے منھ پھیر لیا۔ بخشی خاں نے حضرت سے اس کا سبب پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس لئے تمہاری طرف سے منھ پھیر لیا کہ تم ہمارے اہلبیت کو دوست نہیں رکھتے تو بخشی خاں نے عرض کی اب سے ان کو دوست رکھوں گا ...... ان کے ایک دوست زمینداروں میں سے تھے، پڑھے لکھے تھے۔ ان سے خواب کو نقل کیا تو انہوں نے خواب کی تعبیر بتائی کہ آپ کو شیعہ ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔ چنانچہ وہ شیعہ ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ کل آبادی شیعہ ہو گئی۔ ہمارے جدّ اعلیٰ بڑے زمیندار اور تعلقدار تھے اور انسٹھ (۵۹) قریوں کے مالک تھے۔ لیکن جب ۱۸۵۷ء میں ہندوستانیوں نے انگریز حکومت کے خلاف جنگ شروع کی تو سلطانپور اس میں سب سے آگے رہا۔ اور ہمارے پردادا بختاور خاں بھی جنگ میں شریک ہو گئے .... اور ہمارے گاؤں سے متصل جو انگریزوں کی گورا بیرکیں تھیں اس کا تمام اسلحہ اور سب سامان لٹوا دیا لیکن اس لڑائی میں انگریز غالب اور ہندوستانی مغلوب رہے۔ جس کی پاداش میں پورا سلطانپور اور ہمارا گاؤں توپ کے گولوں سے اڑا دیا گیا۔ اور اصل آبادی پر کسی کو آباد نہیں ہونے دیا گیا اور ہمارے پردادا کے علاقے کو ضبط کر لیا گیا

ضمیر کی آزادی کے لئے آباؤ اجداد کی جد وجہد اور اس کی قیمت چکانے کا تذکرہ جس طرح مزہ

سے لیکر کیا گیا ہے، وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ جد جہد کی یہ زریں تاریخ افتخار العلماء کی شخصیت و سیرت کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کرتی رہی۔ اس لئے وہ عقیدہ و نظریہ کے برملا اظہار میں کبھی کسی ملامت سے خائف نہیں ہوئے۔ اپنے بڑے سے بڑے نقصان کی پرواہ نہیں کی۔ اسلام کے منفی عناصر سے اظہار برأت وہ اپنا بنیادی حق سمجھتے تھے۔ داخلی سطح پر بھی عقائد و مسلمات کے سلسلے میں ان کی بلند بانگ آواز ہر کس و ناکس کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی تھی۔

افتخار العلماء کے خاندان میں علوم دینیہ کا سلسلہ شروع ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ حالانکہ سلطانپور کے علاقے میں علم و دانش کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ قریب ہی جائس اور نصیر آباد کی بستیاں ہیں۔ ان دونوں بستیوں میں شیعیت لگ بھگ دو صدی قبل اپنے پیر جما چکی تھی۔ پھر علم کے نورانی اثرات اپنے گرد و پیش کا احاطہ کیوں نہ کرسکے۔ یہ بظاہر پیچیدہ سوال ہے۔ لیکن انگریزوں کے عتاب اور ان کے انداز استیصال پر جس کی نظر پہونچے گی وہ سمجھ جائیگا کہ اس علاقے یا خانوادے میں علم کا چرچا کیوں نہ ہوسکا۔ انگریزوں نے اپنے طریقۂ حکومت میں علم کے تمام مراکز کا احاطہ کر رکھا تھا۔ اپنے باغیوں پر وہ کڑی نظر رکھتے تھے۔ بختاور خاں کا معتوب خاندان نچلی سطح سے اوپر تک تمام علمی اداروں سے محروم ہوگیا تھا۔ کچھ تو اس لئے کہ وہ خود کو اپنے تحفظ کے سلسلے میں اجتماعی حیثیت سے چھپانا چاہتے تھے۔ پھر یہ کہ تعلیمی ادارے ایسے معتوب افراد کو داخل کرکے اپنے لئے کوئی عتاب کا اندیشہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ دھیرے دھیرے جب یہ بات آئی گئی ہونے لگی۔ بغاوت کے پرانے زخم بھرنے لگے تو علم کے دروازے بھی کھلنے لگے ہوں گے۔ افتخار العلماء کی تحریر کے مطابق سب سے پہلے ان کے خاندان میں ان کے چچا مولانا بختاور علی خاں صاحب مرحوم نے علم دین کی طرف توجہ کی۔ انھوں نے ہندوستان کے مقدمات تعلیم طے کرکے عراق کا سفر کیا۔ وہاں عرصے تک رہ کر تعلیم مکمل کی اور اجتہادی اجازہ کے ساتھ ہندوستان واپس آئے ۔ افتخار العلماء اس کی تفصیل پس منظر



کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

"ہماری برادری میں علم دین کا چرچا کہاں سے آیا؟ حالانکہ ضلع سلطانپور قدیم زمانے سے گہوارۂ علم و دانش رہا ہے۔ جائس قصبہ نصیر آباد جو قدیم زمانے سے مرکز علم تھا ـــــ غدر ۵۷ء سے پہلے ضلع سلطانپور میں داخل تھا۔ مگر جب انگریزوں نے اپنے تسلط کے بعد زمین کا بند و بست کیا تو اس مرکز علم و فن کو سلطانپور سے نکال کر رائے بریلی ضلع میں داخل کر دیا۔ اس اعتبار سے علامہ سید دلدار علی جائس اور نصیر آباد کے سُنّی شیعہ و سُنی علماء اور اس زمانے کے مشہور شاعر سید محمد جائسی اصلاً سلطانپوری ہی ہیں۔ سب سے پہلے علم دین کی طرف ہمارے عم محترم مولانا بختاور علی صاحب مرحوم متوفی ــــ متوجہ ہوئے۔ اور ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء میں اپنی ریلوے کی ملازمت ترک کر کے لاہور سے عراق تشریف لے گئے اور تحصیل علم میں کوشش شروع کی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستان واپس آئے اور امروہہ نوگانواں سادات اور لکھنؤ کے جامعات میں مقدمات کی تکمیل کی اور پھر تکمیل تعلیم کے لیے عراق تشریف لے گئے۔ اور آیۃ اللہ ابوالحسن اصفہانی و آیۃ اللہ مرزا محمد حسین نائینی و آیۃ اللہ شیخ ضیاء الدین عراقی کے درس میں شرکت کر کے درسیات کی تکمیل کی۔ مرحوم نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ نجف اشرف میں گذارا۔ عم محترم نے مجھے علوم دینیہ کی طرف متوجہ کیا۔

تعلیم: ـــــ افتخار العلماء کو اس بات کا احساس تھا کہ ہمارے بزرگوں کو رسالت مآبؐ نے اپنے اہلبیت سے وابستہ رہنے کا حکم دیا۔ اور انھوں نے دل و دماغ کی بھرپور سرشاری کے ساتھ اسے قبول کیا تھا۔ جیسے جیسے نشو و نما کے مراحل طے ہوئے، سن سال بڑھا۔ آپ کے وجدان میں اہلبیت سے شدید وابستگی اور اس کے تقاضوں کی کسک بڑھتی گئی۔ یہ کسک کسی متوجہ کرنے والے کو بہانے کے طور پر تلاش کر رہی تھی۔ آپ کے چچا نے جیسے علم دین حاصل کرنے کی ترغیب دی فوراً شرح صدر کی انگڑائیوں کے

کے ساتھ آمادہ ہو گئے ۔

مولانا بختاور علی صاحب مرحوم اس سلسلے میں خود ان کے لئے سراپا تشویق تھے جنہوں نے ریلوے ملازمت چھوڑ کر نشر علوم آلِ محمدؐ کا بیڑا اٹھایا تھا ۔ افتخار العلماء نے دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے لکھنؤ کا رخ کیا ۔ یہاں سرچشمۂ علم و دانش سرکار ناصر الملۃ کا دروازہ کھلا ہوا تھا ۔ آپ فرماتے ہیں :

" چنانچہ وطن سے لکھنؤ ۱۹۲۰ء مطابق ۱۳۴۰ھ میں وارد ہوا ۔ اور سرکار صدر المحققین ناصر الملۃ متوفی ۱۳۶۱ھ کے یہاں قیام کیا ۔ اور انہیں کے زیر سایہ تحصیل علوم کا سلسلہ شروع کیا ۔ جامعہ ناظمیہ میں مقدمات کی تحصیل کی ۔ شیعہ عربی کالج و سلطان المدارس میں پڑھتا رہا اور لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کی سند حاصل کی ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متذکرہ اداروں میں باقاعدہ داخلے کے بعد تعلیم کا سلسلہ نہیں رہا تھا ۔ ورنہ ایک ساتھ دونوں اداروں جامعہ ناظمیہ اور سلطان المدارس میں سلسلۂ تعلیم جاری رکھنا ناممکن ہے ۔ ہر دو اداروں میں سے کسی ایک سے وابستہ ہونے کے بعد شیعہ عربی کالج یا لکھنؤ یونیورسٹی کی تعلیم کا سلسلہ تو جاری رہ سکتا ہے اور ایسا ہوتا بھی رہا ہے ۔ لیکن ان دونوں میں ایک ساتھ باقاعدہ نام لکھوا کر پڑھنا ممکن نہیں ۔ مولانا کے بعض احباب کا بیان ہے کہ آپ اور سعید الملۃ ہمدرس تھے ۔ ہر دو اداروں کے باصلاحیت اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے ایک ساتھ جایا کرتے تھے ۔

سرکار ناصر الملۃ کی نگاہِ شفقت آپ پر بہت زیادہ تھی ۔ زندگی کی بنیادی ضرورتوں کے ساتھ آپ کی تعلیم و تدریس کے جملہ انتظامات فرماتے تھے ۔ خوش قسمتی سے آپ کو سرکار ناصر الملۃ جیسا شفیق مربی مل گیا تھا ۔ مادی و معنوی فیاضیوں سے دامن بھرنے میں آپ نے پوری تندہی ، لگن اور جانفشانی کا مظاہرہ کیا ۔ ناصر الملۃ نے بھی تعلیم کے ساتھ تربیت کے بہتر مواقع فراہم کئے ۔ لکھنؤ اس وقت علم و دانش کا

مرکز تھا۔ اس مرکزیت کا زیادہ حصہ شریعتکدۂ ناصری ہی کی طرف مرتکز تھا ۔ اہل علم کی آمد و رفت، ارباب فن کے زمزمے، اور ولائے آلِ محمدؐ کی خوشبو سے تمام شریعتکدہ باغ و بہار تھا۔ افتخار العلماء نے اپنی بساط بھر کمالات سمیٹنے کی سعی کی اور اپنی صلاحیتوں کے شاندار مظاہرے کئے۔ خود فرماتے ہیں:

" زمانۂ تحصیل میں جریدۂ الصراط کی ادارت کے فرائض تقریباً چار سال انجام دیئے۔ محسن الملۃ مولانا محسن نواب صاحب، سعید الملۃ مولانا محمد سعید صاحب، مولانا مرزا احمد حسن صاحب کے مشورے سے عربی ادب میں مہارت حاصل کرنے کے لئے جناب نصیر الملۃ کی صدارت میں نادی الادباء کی بنیاد رکھی جس میں افاضل مدرسہ ناظمیہ و جامعہ سلطانیہ ہر ہفتہ مجتمع ہوتے تھے اور عربی میں مقالے پڑھتے تھے۔ الادیب کے نام سے ایک ماہوار عربی مجلہ بھی جاری کیا گیا "۔

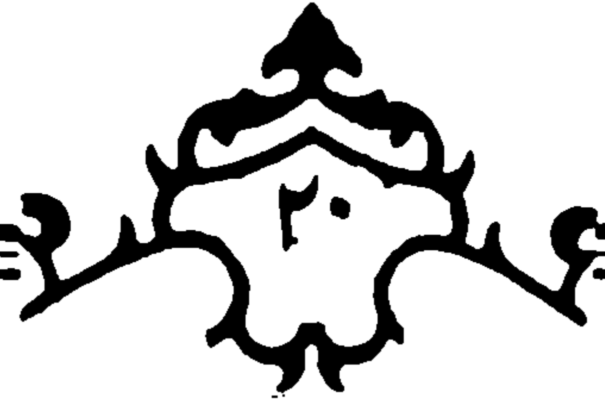
ہندوستان میں علم و ادب کی تحصیل اور اس سلسلے میں والہانہ پن کا کچھ اندازہ آپ کی تحریر سے لگایا جاسکتا ہے۔ جن رفقاء کے ساتھ وہ دانش و بینش کے مرحلے طے کر رہے تھے اسے خود بہتر مستقبل کی ضمانت کہا جاسکتا ہے۔ پھر اس کی تزئین سرکار ناصر الملۃ جیسی علم پرورہستی سے ہوئی تھی۔

ہندوستان کے تعلیمی مراحل طے کر کے افتخار العلماء نے عراق کا رخ کیا۔ یہ ۱۳۵۲ھ کے اواخر رجب کی بات ہے۔ وہاں پانچ سال سے کچھ اوپر مشہور اساتذہ کے انفاس قدسیہ سے فیض حاصل کرتے رہے۔ ہندوستان کی تعلیمی سرگرمیوں کی شاندار مشق نے وہاں بھی نچلا نہیں بیٹھنے دیا۔ وہاں عظیم ترین علماء و مراجع کے سامنے زانوئے ادب بھی تہہ کرتے رہے۔ درس خارج میں بھی شریک ہوتے رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنی صلاحیتوں کو تصنیف و تالیف اور تراجم کے مشغلوں میں بھی الجھائے رہے۔ زمانۂ قیام نجف اشرف میں اس وقت کے مرجع دینی حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابو الحسن اصفہانی طاب ثراہ کے عملیہ کو اردو قالب میں منتقل کیا۔ یہ ترجمہ نجف اشرف ہی میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اس کے علاوہ مقتل کی مشہور کتاب ابصار العین

فی انصاری الحسین کا ترجمہ کیا۔ ان مشاغل کے ساتھ ائمہ معصومینؑ اور اصحاب کے احتجاجات کو طبرسی علیہ الرحمۃ کے نہج پر جمع کرتے رہے۔

عراق کی ان مصروفیتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کے لئے سمندر پار جانے کے لئے بے چین تھے۔ انھیں اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہتر مواقع، تربیت ساز ماحول اور نفیس تجربات کی ضرورت تھی۔ اگرچہ یہ کمی بہت حد تک سرکار ناصر الملۃ کی سرپرستی میں پوری ہوتی رہی لیکن حیدرآباد جانے کے بعد یہ رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔ وہاں آپ نے شدت سے عراق جانے کی خواہش محسوس کی۔ حیدرآباد میں ایک رئیس کے بچوں کے اتالیق مقرر ہو گئے تھے۔ رئیس نے ان کا خلوص، لگن اور محنت دیکھ کر ان کی طرف شفقت و توجہ میں اضافہ کر دیا۔ آپ اس گھر کی فرد ہو کر رہ گئے تھے۔ خلوص، اعتماد اور اپنائیت نے وہاں ان کے لئے پریشانی کھڑی کر دی۔ رئیس اس گوہر نایاب کو اپنے سے جدا کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوتے تھے اور یہ اپنی آب و تاب بڑھانے کے لئے نجف جانا چاہتے تھے۔ افتخار العلماء بیان فرماتے تھے کہ جب میں نے عراق جانے کی خواہش ظاہر کی تو وہ بے چین ہو گئے۔ للہ سمجھانے بجھانے۔ مولانا آپ کی اچھی خاصی صلاحیت ہے۔ آگے پڑھ کے کیا کیجئے گا۔ یہیں رہیئے۔ میرا گھر حاضر ہے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں اسی طرح مصروف رہیئے۔ آپ کسی علمی خانوادے کی فرد نہیں۔ اس سے زیادہ آپ کی تعلیم آپ کے لئے سود بخش نہیں ہوگی۔ ان شفقت آمیز باتوں سے ان کی خوب سے خوب ترکی جستجو بھڑک اٹھی۔ ہر فہمائش پر نجف کا ورد بڑھتا جاتا تھا۔ نتیجے میں ان کے جوش و خروش سے متاثر ہو کر انھوں نے عراق جانے کا بندوبست کر دیا۔ افتخار العلماء نے خود اپنے ایک شعر میں اس وقت کی داخلی کیفیات کو پیش کیا ہے۔

لہ جذبۂ شوق چلا لیکے مجھے سوئے نجف
تم چلو آئیں گے اس راہ میں آنے والے



بعض لوگوں کا بیان ہے کہ سرکار ناصر الملۃ نے اپنے اس شاگرد رشید کے عراق جانے کا انتظام خود فرمایا تھا۔ یہ کچھ بعید بھی نہیں۔ ممکن ہے کہ باب مدینۃ العلم کی طلبی پر خداوند عالم نے دونوں طرف سے مدد و تعاون کی فضا ہموار کی ہو۔ مالی امداد حیدرآباد سے ہوئی ہو اور عراق میں تعلیمی وسائل کی فراہمی اور علمار سے رابطہ کے حالات سرکار ناصر الملۃ نے اپنے اثرات سے فراہم کئے ہوں۔ کیوں کہ افتخار العلمار نے عراق میں جس عزیمت، حوصلہ اور خود اعتمادی کے جذبے کے ساتھ تعلیمی مشاغل جاری رکھے۔ تراجم و تالیفات کی مشغولیتوں کا مظاہرہ کیا وہ بغیر کسی سازگار ماحول اور وسیلے کے ممکن نہ تھا۔

شادی:۔۔۔ عراق جانے سے چھ سال قبل آپ کی شادی خاندان ہی کی ایک معظمہ سے کر دی گئی۔ جو جناب باقر حسین صاحب مرحوم کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے بطن سے پانچ لڑکیاں ہوئیں۔ ان سب کی شادیاں آپ نے خاندان اور اعزہ ہی میں کر دیں۔ ان میں دو حضرات اہل علم و افاضل ہیں۔ حجۃ الاسلام مولانا علی عباس صاحب مجتہد اور مولانا محمد زاہد خاں صاحب صدر الافاضل نشر فضائل و علوم آل محمدؐ میں مصروف ہیں۔

افتخار العلمار نے اپنی زندگی کے آخری ایام ہندوستان میں سب سے بڑے خویش جناب صغیر احمد صاحب کے ساتھ معصوم منزل ۵۵/۴۹ رستم نگر لکھنؤ میں گذارے۔ آپ کے دو چشم و چراغ علم دین کی شمعیں روشن کئے ہوئے ہیں۔ یعنی حجۃ الاسلام مولانا ظہیر احمد صاحب افتخاری مجتہد، دوسرے مولانا محمد مہدی صاحب افتخاری (نزیل قم)

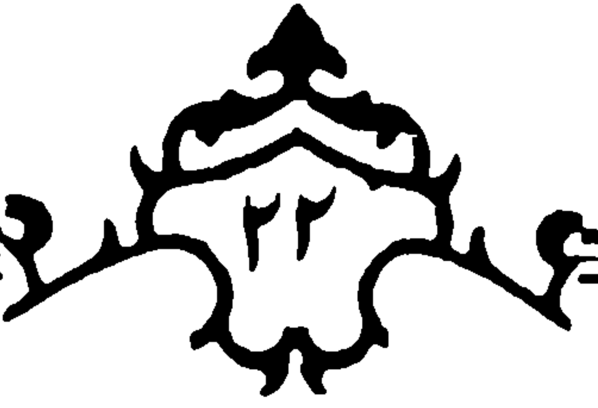
ؔ سلطان المدارس کی قصیدہ خوانی کے مصرع طرح پر یہ شعر ہے۔ آپ اسی سال نجف اشرف کے عازم تھے۔ آپ نے اپنے حسب حال شعر پڑھا۔ تخلص ماہر تھا۔

افتخار العلماءؒ فیض آباد میں

اودھ کی اولین راجدھانی فیض آباد اپنی رنگارنگ خصوصیات کے لئے مشہور تھی۔ مشرقی ہندوستان میں سب سے پہلے شیعوں نے یہیں سے اپنا اجتماعی وجود منوایا۔ دین و شریعت کا باقاعدہ اظہار واعلان، اپنے مخصوص ثقافتی امتیازات کو فنون لطیفہ کے ذریعہ نمایاں کرنے کی سعی، حکومت واقتدار میں علماء کا اثر ورسوخ یہ سب یہیں سے شروع ہوا۔ بعد میں یہ راجدھانی لکھنؤ منتقل ہوگئی۔ اپنے تقدم کی وجہ سے شیعوں کی ہمیشہ نظر اس پر رہی۔ پھر یہ کہ وہاں شیعوں کا وجود تھا ان کے شعائر تھے جن کا تحفظ علماء کے فریضے میں تھا۔

افتخار العلماء عراق سے وطن واپس آئے تو سرکار ناصر الملۃ نے فیض آباد کی ثقافتی، سماجی علمی و دینی اصلاح کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا۔ وہاں کے مومنین نے سرکار ناصر الملۃ سے وثیقہ عربی کالج کے لئے کسی موثر اور فعال فقیہ وعالم کو متعین کرنے کی گذارش کی تھی۔ ناصر الملۃ اپنے عزیز ترین شاگرد کی صلاحیتوں سے واقف تھے۔ وہاں کے پیچیدہ ترین حالات پر بھی نظر تھی۔ اپنے مخدوم واستاد کے حکم سے افتخار العلماء فیض آباد چلے گئے۔ وہاں صرف علمی ادارے کی اصلاح ہی کی بات نہیں تھی وثیقہ اسکول میں تعلیمی نظام درہم برہم تھا۔ شہر میں شیعی معاشرت پر شریعت سے زیادہ رسم ورواج کا عمل دخل مکڑی کے جالے کی طرح پھیلا ہوا تھا۔

شروع شروع میں افتخار العلماء کی تمام سعی وثیقہ کی اصلاح پر مرکوز رہی۔ لق ودق میدان پر چمن بندی شروع کی۔ غیر آباد زمین پر زراعت اور شجر کاری کی۔ اس طرح لوگوں نے دیکھا کہ کام شروع ہو چکا



ہے۔ طلبہ پڑھ بھی رہے ہیں اور کھیت میں کام بھی کر رہے ہیں۔ دنیا کو آخرت کی کھیتی بنانے کا مقدس عمل طلبہ کے احساسات جگانے لگا تو معنوی معیار بلند کرنے کے لئے تعلیم کی طرف توجہ کی۔ طلبہ کی تعداد بڑھائی۔ ان کی ضرورتوں پر توجہ کی اس طرح مدرسہ زندگی کی متوازن سانس لینے لگا۔

مدرسہ کی اصلاح کے بعد معاشرے پر نظر کی۔ مذہب سے غفلت و بے توجہی نے مساجد کو معطل اور شریعت میں سست روی پیدا کر دی تھی۔ سب سے پہلے مساجد کی طرف اصلاحی ہاتھ ڈالا۔ آپ نے حسن آغا کاظمی عفی عنہ سے چوک مسجد کے کاغذات حاصل کئے، نوعیت سمجھی اور باجماعت نماز کیلئے ایک پیش نماز مقرر کر کے پرسکون سمندر میں طوفان اٹھا دیا۔ تفصیل کے لئے یہ چند صفحات ناکافی ہوں گے مختصر یہ کہ ہنگامہ ہوا۔ مقدمہ بازی ہوئی۔ رسموں پر شریعت کی بالادستی کے لئے افتخار العلماء نے بڑے مصائب اٹھائے لیکن آپ کے پائے استقامت میں ذرا لغزش نہ ہوئی۔

چودہ سال کے طویل اور صبر آزما مراحل تجربات کی کھلی ہوئی کتاب ہیں جس کے ہر باب کا عنوان مہابہ و شجاعۃ، جہاد فی سبیل اللہ، حب فی اللہ اور بغض فی اللہ سے مزین ہے۔ انھیں ایام میں فیض آباد نے آزادی کا سورج طلوع ہوتے دیکھا اور پھر متعصب اور تنگ نظر افراد کی سازشوں سے اس سرزمین پر وہ کھیل شروع ہوا جس نے آزادی کے اجالوں کو داغ داغ بنا دیا۔ وہاں کے مسلمان آج بھی حرف سوال بنے ہوئے ہیں ؎ وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں۔

۲۲ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو اچانک راتوں رات بابری مسجد میں مورتی رکھ دی گئی۔ چونکہ سازشوں کے تحت یہ معاملہ مدتوں سے کسی نہ کسی طرح مختلف اوقات میں سر ابھارتا رہا تھا اس لئے پورے شہر کے مسلمانوں میں غم و غصہ فطری تھا۔ پرسکون ماحول اچانک حساس بن گیا۔ جس طرح یہ کام ہوا تھا اس سے صاف اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں انتظامیہ کا ہاتھ ہے۔ بعد کے حالات نے ثبوت بھی فراہم کر دیا کہ ڈی۔ ایم نیر

کی ذاتی دلچسپی سے یہ حادثہ وقوع پذیر ہوا تھا۔ شیعہ سنّی تمام افراد حرکت میں آگئے اور اپنے اپنے عزم و حوصلہ کا اظہار کرنے لگے۔ ان میں سب سے زیادہ غم و غصہ کا مظاہرہ افتخار العلماء نے کیا۔ ایک نمائندۂ شریعت کی حیثیت سے مقامی طور پر سب سے زیادہ ذمہ داری آپ ہی پر عائد ہوتی تھی۔ آپ نے اس ذمہ داری کے شرعی پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ اور اقدامات کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ آپ کے مؤثر، مفید اور متوازن طرز عمل نے اہلسنت حضرات کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ حادثے کے تیسرے دن اہلسنت حضرات کی ایک نمائندہ جماعت نے آپ سے ملاقات کی۔ اور اس قومی مصیبت کے دفعیہ کے متعلق مشورہ کیا۔ اور پھر ایک عام جلسہ کی تجویز طے پائی۔ یہ جلسہ اپنی نوعیت کا منفرد تھا۔ تمام شیعہ سنی جمع ہوئے۔ اس عظیم جلسے میں مقررین نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ افتخار العلماء کی تقریر میں تدبیر، عزم و حوصلہ اور دوررس معاملہ فہمی جھلک رہی تھی۔ اپنی تقریر لکھ کر لے گئے تھے۔ مسلمانوں کو اس مصیبت سے نپٹنے کے لئے قانون کا سہارا لینے کا مشورہ دیا۔ آخر میں فرمایا اگر آپ حضرات پرسوں میرے ساتھ چلیں تو خود سعادت حسین مسجد سے مورتی ہٹا دے گا۔ اس اعلان پر فلک شگاف نعرۂ تکبیر تو بلند ہوا لیکن اعلان کے مطابق کوئی بھی مسلمان وہاں حاضر نہیں ہوا۔

اس جلسے نے دشمنوں کو انتقام کا موقع فراہم کر دیا۔ ڈی۔ ایم کے پاس درخواست دیدی کہ مولانا نے حکومت کے خلاف باغیانہ تقریر کی ہے اور مسلمانوں کو مرنے مارنے پر ابھارا ہے۔ ڈی۔ ایم نیر نے آپ کو طلب کیا اور بازپرس کی۔ آپ نے بڑی بے باکی سے بابری مسجد کا قضیہ اور مسلمانوں کے غم و غصہ کا پیش کیا۔ اور کہا کہ میں نے جو تقریر کی تھی وہ میرے پاس موجود ہے۔ سرکار افتخار العلماء نے اس پورے معاملہ کو خالص اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا۔ اپنی شرعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کسی ملامت کی پرواہ نہیں کی نہ اپنے آستین کے سانپوں کا خوف محسوس کیا۔

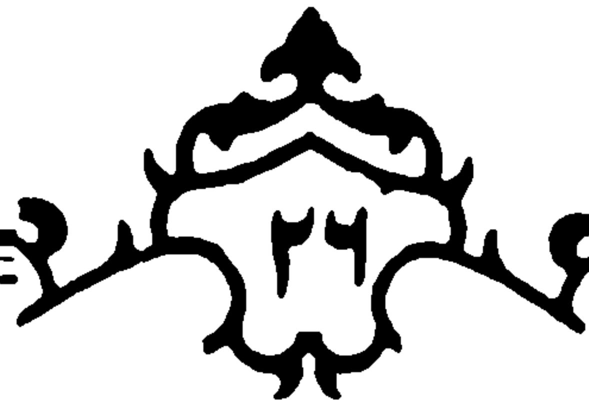
کانپور کے فساد نے پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں گہری تشویش پیدا کر دی تھی۔ اس کا اثر فیض آباد پر بھی ہوا۔ چوک کی مسجد پر جلسہ ہوا۔ مسلمانوں نے اس جلسے میں شدید غم و غصہ کا اظہار کیا۔ افتخار العلماء اس جلسے کی نمایاں ترین فرد تھے۔ آپ ہی کی صدارت میں جلسہ ہوا تھا۔ احتیاط اور مستقبل کے اندیشوں کے پیش نظر اپنی تقریر لکھ کر لیگئے تھے۔ کچھ تو موقع کی نزاکت کا احساس کچھ اپنوں کی ریشہ دوانیوں کا خوف اور کچھ حاسدوں کی نیش زنی کی توقع ان تمام باتوں نے مل جل کر آپ کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ اپنے تمام اقدامات کا ریکارڈ رکھنا پڑتا تھا۔ پہلے سے لکھی ہوئی تقریر میں آپ نے مسلمانوں کو جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے کا مشورہ دیا۔ اپنے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں آئینی لڑائی لڑنے کی بات کہی پھر مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا مشورہ دیا۔ اس کے بعد وہی کچھ ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ دشمنوں نے ڈپٹی کمشنر سے شکایت کر دی کہ مولانا نے جلسہ عام میں فرقہ وارانہ منافرت پیدا کرنے اور لوگوں کو بغاوت پر ابھارا ہے۔ حکومت نے فوراً نوٹس لیا سب سے پہلے تو ڈپٹی کمشنر نے گرانٹ بند کر دی۔ اس کے بعد افتخار العلماء سے ان کی "باغیانہ" روش پر جواب طلب کیا۔ مولانا نے اس سے مل کر اپنی لکھی ہوئی تقریر دکھائی اور مدرسہ کی گرانٹ بند کرنے پر شدید احتجاج کیا۔ تلخ کلامی کی نوبت آگئی۔ آپ نے فرمایا کہ بالفرض اگر میں قصوروار ہوں تو مدرسہ کے طلبہ اور اساتذہ کا کیا قصور ہے۔ گرانٹ بند کرنا قطعی ناانصافی ہے۔ پھر آپ نے چیلنج کرتے ہوئے ڈپٹی کمشنر سے فرمایا کہ گرانٹ تو میں بہرحال جاری کرالوں گا۔

آپ لکھنؤ تشریف لائے اور ایم ایل سی مولانا محمد نصیر صاحب قبلہ مرحوم اور وزیر انصاف و اوقاف سید علی ظہیر صاحب مرحوم کے سامنے فیض آباد کی تمام صورت پیش کی اور انتھک کوشش کے بعد مدرسہ کی گرانٹ دوبارہ جاری کرادی۔ گرانٹ بند ہونے کی پوری مدت تک افتخار العلماء نے اساتذہ و طلبہ کو یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ گرانٹ بند ہوئی ہے۔ اپنی جیب سے تمام مصارف برداشت کرتے رہے۔

فیض آباد کی دوسری اصلاحی مساعی کے متعلق خود مولانا رقمطراز ہیں :

" ۱۹۴۸ء میں مولانا ابن حسن جارچوی شیعہ وقف بورڈ کے صدر ہوئے ۔ میں نے ان سے ملاقات کرکے واگذاری مسجد نواب سید حسن رضا خاں کا مسئلہ پیش کیا اور صورتحال سے مطلع کیا موصوف نے وزیر اوقاف حافظ ابراہیم سے ۲۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کو ملاقات کی اور واگذاری کا حکم ڈپٹی کمشنر فیض آباد کو بھیج دیا ۔ جنوری ۱۹۴۹ء کو میں نے خود ملاقات کی تو موصوف نے فرمایا کہ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کو وزیر اوقاف اسے شیعہ وقف تسلیم کر کے واگذاری کر چکے ہیں ! فروری ۱۹۴۹ء میں کمشنری فیض آباد میں یہ حکم پہونچا اور مجھے ایک معتبر ذریعے سے خبر مل گئی ۔ میں نے فوراً جاکر جارچوی صاحب کو اس کی اطلاع دی ۔ انھوں نے مارچ ۱۹۴۹ء میں انتظام مسجد کی کمیٹی قائم کر کے مجھے اور مرزا افضل علی عرف پیارے صاحب کو رکن اور مرزا مجتبیٰ علی وکیل فیض آباد کو سکریٹری مقرر کر دیا ۔ بابری مسجد پر ہندوؤں کے قبضے سے اس مسجد کے بھی ہندوؤں کے قبضے میں جانے کا اندیشہ تھا ۔ اس لئے میں نے فوراً وہاں نماز جماعت قائم کرنے کے لئے خود جانا شروع کر دیا لیکن اس سلسلے کو باقی رکھنا ضروری تھا اس لئے مولانا کلب جبن صاحب جو اس وقت لوہر پور کے پیش نماز تھے انھیں وہاں سے بلاکر پہلا پیش نماز مقرر کر دیا ۔"

افتخار العلماء فیض آباد میں تکونے محاذ سے نبرد آزما تھے ۔ ان ہمت شکن حالات میں بھی آپ نے دینی و شرعی ذمہ داریوں کو نبھانے میں کبھی سستی، کاہلی یا خوف کا مظاہرہ نہیں کیا ۔ تبرا ایجی ٹیشن میں شیعوں نے ۱۸ ہزار نفوس کو جیل بھیج کر اپنا حق حاصل کیا تھا ۔ فیض آباد کی ریلیف کمیٹی میں کلیدی کردار ادا کر کے مومنین کو ایثار و قربانی کا درس دیا ۔ لوگوں میں جوش عمل پیدا کر کے جیل بھجوایا ــــــ فیض آباد کی انجمن خدام المجالس ۱۹۲۴ء سے قائم تھی ۔ اس کی شاندار مجالس کا اپنا ریکارڈ رہا ہے ۔ آپ جب وہاں پہونچے تو اس کا انہاک سرد پڑ چکا تھا ۔ کوشش کر کے اس میں روح تازہ پھونکی ۔ اور سید محمد سعید صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر کی سربراہی میں اسی سابقہ



شان و شوکت سے مجالس شروع کرائیں۔ ان کے انتقال کے بعد سید حسن مثنیٰ وکیل اسکے ناظم ہوئے۔ پھر خان بہادر محبوب حسین کے شدید اصرار پر استخارہ دیکھا اور انجمن کی نظامت سنبھال لی۔ اس طرح ۴۶ء کے بعد سابقہ شان و شوکت سے مجالس ہونے لگیں۔ پھر حالات نے رخ بدلا اور اندرونی رسہ کشی سے تنگ آکر آپ نے علیحدہ اختیار کر لی تو اس کا معیار متاثر ہوا۔ مجبوراً لوگوں نے دوبارہ آپ سے تعاون کی درخواست کی اور پچھلی تمام باتوں کو بھلا کر اس کار خیر میں حصہ لینے لگے۔

افتخار العلماء لکھنؤ میں

چودہ سال تک فیض آباد میں علمی و دینی خدمات انجام دینے کے بعد ۵۲ء میں آپ سرکار نصیر الملۃ کے حکم سے لکھنؤ تشریف لے آئے اور شیعہ عربی کالج سے وابستہ ہو گئے۔ جہاں آپ آخر وقت تک پرنسپل کی حیثیت سے دینی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس ادارے کو فعال بنانے کی فکر ہمیشہ رہی۔ زمانۂ علالت میں بھی اگرچہ آپ وہاں جانے سے معذور تھے لیکن اس کی خبر گیری کرتے رہتے تھے۔ ہر مؤثر اور فعال شخص سے اس کی ترقی کے متعلق گفتگو کرتے رہتے وہ دل و جان سے چاہتے تھے کہ شیعہ عربی کالج بہتر سے بہتر خدمت انجام دیتا رہے۔

اس ادارے میں جامعہ ناظمیہ اور سلطان المدارس کے بہت سے طلاب عماد الادب، عماد التفسیر اور عماد الکلام کے درجات میں داخلہ لیتے رہتے تھے۔ افتخار العلماء انھیں سنوارنے اور صلاحیت نکھارنے کی ہر ممکن سعی فرماتے تھے۔

لکھنؤ ہی میں آپ کی نفیس ترین تصانیف بھی سامنے آئیں یہاں کے علمی و ادبی چرچے اور رسائل و حالات قلمی خدمات کا احساس جگاتے رہتے تھے۔ اگرچہ یہاں دوسرے مشاغل بھی بڑھ گئے تھے۔ اداروں کا انتظام، دینی و مذہبی رسائل جاری کرنے اور ان کا معیار بلند کرنے کے اقدامات مجالس و محافل میں منبر سے نشر فضائل اہلبیت اور مساجد میں مواعظ کا اہتمام ان کے علاوہ شیعی سیاست سے متعلق امور و معاملات میں دلچسپی آپکو دم لینے کا موقع نہیں دیتی تھی لیکن انھیں ہنگاموں میں تصنیف و تالیف کا وقت نکال ہی لیتے تھے۔ آپ کی تخلیقی صلاحیتوں کا میدان تصنیف و تالیف و تراجم بھی تھا اور شخصیت سازی بھی۔

لکھنؤ میں آپ نے جہاں نفیس اور مفید موضوعات پر کتابیں لکھیں وہیں اپنے بہترین اور نازش تشیع شاگرد پیدا کئے۔

تلامذہ

افتخارالعلماء کی تخلیقی صلاحیتوں میں تنوع تھا اور ان سب کا رخ علم و دانش اور دین و شریعت ہی کی طرف تھا۔ سماج و معاشرے کی ارتقاء کے لئے جہاں آپ نے تصنیف و تالیف میں بیش بہا خدمات کے نمونے چھوڑے وہیں اس میں تسلسل پیدا کرنے کے لئے ایسے افراد کو تیار کیا جو دنیا کے مختلف خطوں میں منتشر ہو کر سماج، معاشرہ اور انسانیت کے ساتھ ساتھ ملت جعفریہ کی گرانقدر خدمات بھی انجام دے رہے ہیں۔ ان کا خلوص و لگن متعدی تھا۔ وہ اپنا حسن نیت دوسروں کے سینوں میں بھر دیتے تھے۔ ستر پچھتر سال کی درس و تدریس کی عظیم و قیع اور مؤثر محنت نے ہزاروں ایسے علماء، فقہا، دانشور، ادیب، محقق، شاعر، ادیب، صحافی، خطیب ایجہ تاز ان سیاست اور مصلحان قوم پیدا کئے جو اپنی زبان و قلم و کردار سے انسانیت و مذہب کو سیراب کر رہے ہیں ان رنگارنگ پھولوں کی خوشبو آج ہندوستان، عراق، ایران، خلیجی ممالک، امریکہ، کناڈا، برطانیہ، افریقہ و پاکستان بنگلہ دیش بلکہ دنیا کے کونے کونے میں پھیل رہی ہے۔ یہ تلامذہ افتخارالعلماء کی مخلصانہ محنتوں کا ثمرہ ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

علماء و فقہا:

سعیدالملت مولانا محمد سعید صاحب رح

فخرالعلماء مرزا محمد عالم صاحب رح

مولانا نجم الحسن صاحب رح

مولانا حیدر عباس صاحب رح

مولانا حمید الحسن صاحب پرنسپل جامعہ ناظمیہ لکھنؤ

رئیس العلماء مولانا روشن علی صاحب سابق پرنسپل منصبیہ عربی کالج میرٹھ

مولانا محمد حسین نجفی صاحب وائس پرنسپل مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ

مولانا محمود الحسن صاحب پرنسپل مدرسہ ناصریہ جونپور

مولانا سید علی ناصر سعید عبقاتی صاحب سکریٹری مجلس علماء

مولانا زاہد احمد صاحب

مولانا صفی حیدر صاحب سکریٹری تنظیم المکاتب

مولانا شمیم الحسن صاحب پرنسپل مدرسہ جوادیہ بنارس

مولانا اکبر علی صاحب ناگپوری

مولانا ارشاد حسین صاحب سابق پرنسپل باب العلم مبارکپور

مولانا علی قاسم رضوی سلطان المدارس

مولانا مظہر حسین پرنسپل باب العلم مبارکپور

خطباء :-

مولانا مظفر حسین صاحب طاہر جرولی

مولانا رضی جعفر صاحب، پاکستان

مولانا مظاہر علی صاحب

مولانا محمد مرتضیٰ صاحب جعفری

مولانا محمد حسن معروفی

مولانا شرافت حسین صاحب کاظمی۔

مولانا مرزا محمد اشفاق صاحب

مولانا ناظم علی صاحب

مولانا اختیار حسین صاحب مرحوم

مولانا دانشور [illegible] حسین [illegible]

مولانا مرزا محمد اطہر صاحب

مولانا ضیاء الحسن موسوی مرحوم پاکستان

مولانا فرمان حسین صاحب

مولانا غلام حسین کراروی

مولانا ابن محمد حسن صاحب پاکستان

جناب آل حسن صاحب

مولانا موسیٰ صاحب پاکستان

ڈاکٹر محمد رضا صاحب

ڈاکٹر عمران رضا بنارس

اساتذہ :-

مولانا شفیق حسین صاحب

مولانا بیدار حسین صاحب

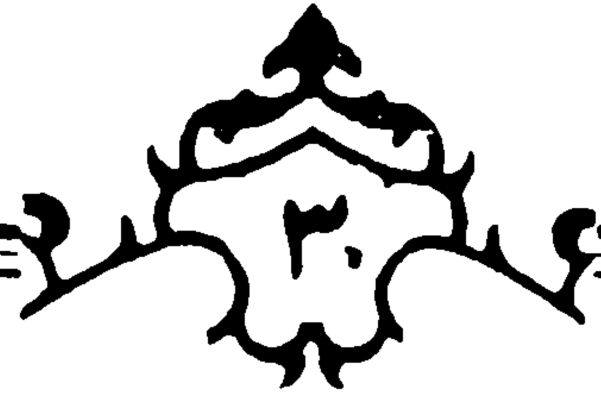
مولانا شہنشاہ حسین صاحب

مولانا طالب حسین صاحب

مولانا اسد رضا صاحب

مولانا علی امام صاحب

مولانا جعفر مجتبیٰ صاحب مرحوم



مولانا شیخ مہدی حسین کشمیری

مولانا سید محمد تقی کشمیری

مولانا سید محمد مجتبیٰ صاحب

مولانا ملا حسین، صاحب آلِ غفرانمآب

صحافی :-

۱۔ مولانا حسن عباس فطرت مدیر صداقت

۴۔ مولانا شرافت حسین صاحب ریڈیو تہران

۳۔ قاضی سید محمد عسکری صاحب مدیر توحید ایران

۵۔ محمد حسن شاہد آزاد ہند کلکتہ

۷۔ مولانا جمیل احمد نقوی صاحب الواعظ لکھنؤ

۶۔ مولانا تفضل مہدی صاحب الجواد بنارس

۲۔ مولانا محمد جابر صاحب واعظ اصلاح لکھنؤ

شعراء :-

مولانا ابن علی صاحب شائق

مولانا سید علی اختر صاحب شعور

مولانا غلام حسین صاحب معجز

مولانا محمد ہارون صاحب قیصر

جناب اطہر فیض آبادی

جناب قدر فیض آبادی

شبیب زیدپوری کشمیر

سیاست :-

مولانا سید احمد صاحب مظلوم سابق وزیر اوقاف بہار اشرف

مولانا افتخار انصاری صاحب وزیر صنعت کشمیر

راجہ سلیمان میاں ایم ایل اے

آرٹسٹ :-

محمد ظفر خاں

قدر فیض آبادی

انجمن :-

مولانا ابن حسن صاحب قبلہ فیض آباد

مولانا سید محمد کشمیری

مولانا قنبر علی صاحب

مولانا نادر حسن صاحب افریقہ

مولانا مرید حسین، افریقہ

مولانا محمد عابدین صاحب دہلی

مولانا مسرور حسین صاحب افریقہ

مولانا انیس احمد جارچوی واعظ صفی پور

مولانا ظفر الحسن صاحب واعظ سہارنپور
مولانا مختار عباس صاحب واعظ گجرات
مولانا آل محمد صاحب واعظ بارہ بنکی

اطبا:

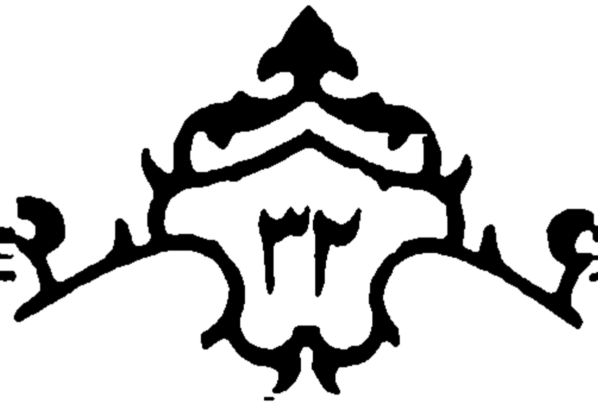
حکیم نجم الحسن صاحب
حکیم نبی حسن صاحب
حکیم مجید حسن صاحب
حکیم حسن مثنیٰ صاحب
حکیم انور عادل صاحب
حکیم مقبول حسین صاحب
حکیم مولانا سخی احمد صاحب
حکیم مولا محمد یٰسین صاحب
حکیم محمد کاظم صاحب۔
حکیم محمد اکبر صاحب
حکیم ناصر عباس صاحب

حکیم امین احمد صاحب
حکیم غلام عباس صاحب بنگلور
حکیم سید علی حیدر صاحب سکنڈ پوری

بیرون ملک مبلغین

مولانا سید علی حیدر صاحب امریکہ
مولانا شبیہ الحسن صاحب کناڈا
مولانا محمد حسین صاحب امریکہ
مولانا مقبول حسین صاحب سویڈن
مولانا شمشاد حسین صاحب ناروے
مولانا ریاست حسین صاحب افریقہ
مولانا سجاد صاحب۔ افریقہ
مولانا سجاد امام صاحب ہالینڈ
مولانا محمد زاہد صاحب افریقہ
مولانا ابن حسن نجفی

یہ فہرست عجلت میں مرتب کی گئی ہے۔ بہت سی نادرۂ روزگار ہستیاں اپنی جگہ پر تبلیغ دین و شریعت میں مصروف ہیں لیکن ترتیب کے وقت راقم الحروف کی عدم واقفیت یا سہو و نسیان کا شکار ہو گئیں اس فہرست میں تمام شاگردوں کا احاطہ مقصود نہیں بلکہ صرف اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ خداوند عالم نے جس فقیہ عارف کو اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ انہوں نے جس



مجاہد پر اپنی نظر توجہ مرکوز کی تھی اُس نے امانت علم و دانش کو تفقہ، دیانت اور تقدس کی خوشبوؤں کے ساتھ چار دانگ عالم میں پھیلایا رضائے خداوندی کی ضیا باریوں کے ساتھ دنیا کے گوشے گوشے میں عام کر دیا۔ خود سلطان پور کی تیرہ و تار فضا میں آج فقہ و دانش کے اس قدر ستارے چمک رہے ہیں کہ دوسرے اضلاع اور شہر کی گود میں اتنے ستارے نہیں۔ اب سلطانپور کی فضا علماء، خطباء اور مبلغین کے زمزموں سے گونج رہی ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق وہاں کے چالیس سے اوپر اہل علم ہند و بیرون ہند کے مختلف علاقوں میں تبلیغ دین فرما رہے ہیں۔ یہ سب مولانا بختاور علی صاحب قبلہ مرحوم کے بعد افتخار العلماء کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔

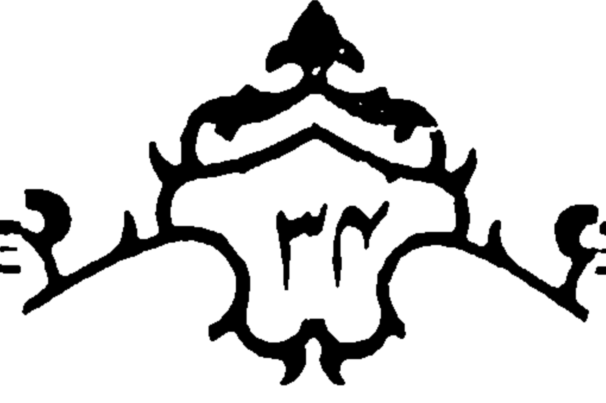
اساتذہ اور اجازے

افتخار العلماء کو قدرت نے قلب خاشع عطا فرمایا تھا۔ وہ عالم عارف تھے۔ ان کی تعلیم کا مقصد احیاء دین و شریعت تھا۔ وہ لسان ذاکر کی لازوال دولت سے مالا مال تھے۔ اس لئے ہمیشہ اپنے جسم کو بلاؤ آزمائش کے لئے آمادہ رکھتے تھے۔ قدرت نے ان کی اسی عنایت کا اجر دنیا و آخرت کی سعادتوں کی شکل میں عطا فرمایا۔ حدیث قدسی میں ارشاد قدرت ہے۔

اذا اردت ان اجمع للمسلم خیر الدنیا و خیرا لاخرۃ جعلت لہٗ قلبا خاشعا و لسانا ذاکرا و جسدا علی البلاء صابرا۔

جب میں کسی مسلمان میں دنیا و آخرت کی بھلائیاں جمع کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کے قلب کو خشوع سے بھرپور اور زبان کو ذکر سے مملو کر دیتا ہوں۔ اور اس کے جسم کو بلاو آزمائش کے لئے آمادہ اور صبر کے لئے تیار کر دیتا ہوں۔ خلوص شرط ہے پھر تو مسبب الاسباب ایسے لوگوں کے لئے آسانیوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ایسے وسائل فراہم کر دیتا ہے کہ وہ پوری تندہی و لگن کے ساتھ علم حاصل کر سکیں۔ اپنی اکتسابی توانائیوں کو مہمیز کر سکیں عرفاء، علماء، وفقہا کو خود ان کی طرف مائل کر دیتا ہے کہ اپنی ضیاء باریوں کے اس قلب خاشع کو آفتاب تازہ بنا دیں۔

افتخار العلماء کے اساتذہ کی فہرست میں ایسی عہد ساز شخصیتوں کے نام ملتے ہیں جو علم و فن کے بذات خود آفتاب تھے۔ ہندوستان میں بھی انھیں عرفاء و علماء کی آغوش والی۔ عراق میں بھی نادرۂ روزگار فقہا نے دست رحمت بڑھا کر اپنی آغوش میں سمیٹا۔ جن عبقری شخصیتوں کی نشاندہی افتخار العلماء نے اپنی تحریر کے ذریعہ کی ہے وہ اپنے فن میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں۔



ہندوستان میں تعلیم مکمل کر کے ۱۳۵۲ھ میں نجف اشرف گیا وہاں حسب ذیل اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔

فقہ و اصول میں آیۃ اللہ آقائی شیخ ابراہیم رشتی۔ آیۃ اللہ شیخ عبدالحسین رشتی، آیۃ اللہ آقائی سید حسن بجنوردی و آیۃ اللہ العظمیٰ آقا مرزا احمد باقر زنجانی ۔ علم کلام میں آیۃ اللہ سید جواد تبریزی عربی ادب میں حجۃ الاسلام والمسلمین قاضی سید محمد ساوی ۔

اُصول فقہ کا درس خارج میں نے آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ ضیاء الدین عراقی سے حاصل کیا اور فقہ کا درس خارج آیت اللہ العظمیٰ المرجع الدینی الاعلیٰ آقا السید ابوالحسن اصفہانی سے حاصل کیا ۔

ان علماء نے اس گوہر یکتا کی تراش خراش کر کے آب و تاب بڑھائی پھر جس جوہری نے اسے پرکھا اپنے معیار پر کھرا پایا ۔ تکمیل تعلیم کے بعد جب تبلیغ و ارشاد اور نشر علوم آل محمد کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے زندگی و بندگی کے وسیع میدان میں اُترے تو بہت سے علماء نے وقتاً فوقتاً آپ کی عظمتوں کے اعتراف کے طور پر اجازوں سے نوازا ۔ ان وقیع و عظیم شخصیتوں میں

آیت اللہ علامہ السید ناصر حسین صاحب عبقات

علامہ عبدالحسین شرف الدین صاحب المراجعات

آیۃ اللہ الشیخ محمد محسن آقا بزرگ تہرانی صاحب الذریعہ

آیۃ اللہ العظمیٰ علامہ السید ابوالحسن اصفہانی اعلم زماں

آیۃ اللہ العظمیٰ الشیخ ضیاء الدین عراقی ، استاذ الاساتذہ

محدث عصر علامہ الشیخ عباس قمی صاحب منتہی الآمال

آیۃ اللہ العظمیٰ السید شہاب الدین مرعشی دام ظلہ العالی

آیۃ اللہ العظمیٰ السید محمد رضا گلپائیگانی دام ظلہ الوارف

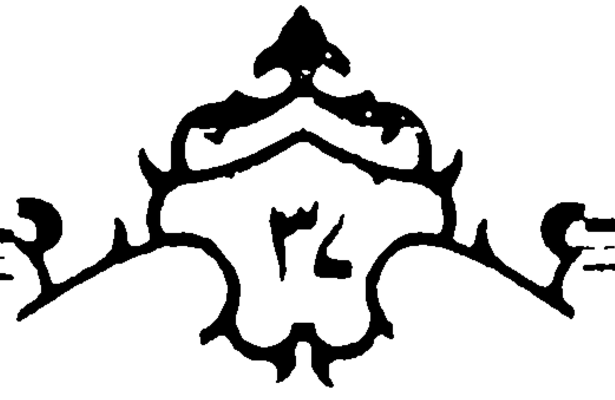
آیۃ اللہ العظمیٰ السید روح اللہ الموسوی الخمینی طاب ثراہ

سال گزشتہ ایران کے مرجع تقلید، محقق بصیر، نسّاب آیۃ اللہ العظمیٰ ابوالمعالی السید شہاب الدین مرعشی مدظلہ العالی نے افتخار العلماء سے اجازہ طلب فرمایا۔ آپ نے جو اجازہ مرحمت فرمایا اُس کی نقل آپکے مخطوطات میں محفوظ ہے اور اس اجازے کو ارسال فرمانے سے پہلے سرکار افتخار العلماء نے حقیر کو بھی اس کی زیارت کرائی تھی۔

تصانیف

علوم آل محمد کی ترویج پل صراط سے کم نہیں۔ بال سے زیادہ باریک، تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور آگ سے زیادہ گرم۔ اک ذرا لغزش ہوئی اور معاملہ کچھ کا کچھ ہوا۔ خاص طور سے تحریری وادیوں کی نزاکت شیشہ گری سے بھی زیادہ محتاط ہے۔ اس احتیاط کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جن کے رخش قلم نے کچھ دوا دوش کی ہے۔ اس میں لفظوں کی احتیاط نہ برتنے پر مفہوم کہیں سے کہیں پہونچ جاتا ہے، مراتب منازل کی عدم معرفت یا مناسبت کا خیال نہ کرنا بات کی کھال اتار کر رکھ دیتا ہے۔ یہ تو الفاظ کی بات تھی۔ مفہوم و مغز سے عدم بصیرت، موضوع کی کماحقہٗ احاطہ بندی نہ ہونا، تجزیہ کی صلاحیت سے عاری ہونا یہ وہ مسائل ہیں جو تصنیف و تالیف میں آڑے آتے ہیں۔ ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں قلم آجانے سے مذہبی ادب ضغطہ، دنشار کے کرب سے دوچار ہے۔ عامی و جاہل کی بات نہیں پڑھے لکھے لوگوں کو اس وادی میں لغزش سے دوچار دیکھا گیا ہے۔ کچھ تو لفاظی میں مارے گئے۔ کچھ شریعت کی ہوس میں شکستہ پا ہوئے کچھ غیروں کے لئے دسترخوان بچھانے میں لٹ پٹ گئے۔ اس میدان میں توازن و تناسب کم ہی لوگوں کو نصیب ہوا۔ جسے نصیب ہوا اس پر خدا کا فضل ہوا۔ قال ؑ زلۃ العالم کانکسار السفینۃ تغرق و تغرق۔ عالم کے بھٹکنے کی مثال ایسی ہے جیسے کشتی ٹوٹ جائے۔ خود بھی ڈوبا اور دوسروں کو بھی لے ڈوبا!!!

تصنیف و تالیف کی خدمت بھی مقصد تعلیم و تبلیغ سے وابستہ ہے جو لوگ اپنی برتری جتانے، اپنی بات کی پیچ رکھنے اور دنیا کمانے کے لئے تحریری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں وہ منھ کی کھاتے ہیں۔ شکست سے دوچار ہوتے ہیں۔ دین بھی ہاتھ سے جاتا ہے اور دنیا میں بھی ذلیل



ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے جن کا نقطۂ نظر لوگوں کو علمی و دینی فائدہ پہونچانا ہوتا ہے اپنی شخصیت کی نمائش سے زیادہ ملت حقہ کا وقار ملحوظ ہوتا اپنی عزت سے زیادہ دین کی سربلندی مقصود ہوتی ہے انھیں خداوند عالم لغزشوں سے محفوظ رکھتا ہے دنیا و آخرت میں عزت و سربلندی سے سرفراز فرماتا ہے۔ ان کا قلیل بھی لوگوں کی نظر میں کثیر بنا دیتا ہے۔ اگر بشری کمزوریوں کی وجہ سے ان سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو تمام کائنات کی مخلوقات استغفار کر کے اس کی پردہ پوشی کرتی ہیں۔

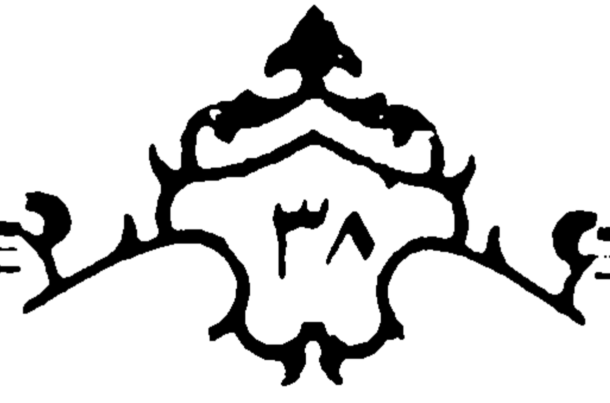
عن ابی جعفرؑ قال معلم الخیر یستغفر لہ دواب الارض وحیطان البحور وکل صغیرۃ وکبیرۃ فی ارض اللہ وسمائہ :—— (ثواب الاعمال)

امام محمد باقرؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ نیکی کی تعلیم دینے والے کے لئے زمین کے چوپائے سمندر کی مچھلیاں اور تمام زمین و آسمان کی چھوٹی بڑی مخلوقات استغفار کرتی ہیں۔

وہ آسمان کے ستاروں کی طرح ہوتا ہے۔ اس کی تحریر کے سیاہ نقوش کی شعاعیں ہدایت پسند کو راستہ دکھاتی ہیں۔

ان مثل العلماء فی الارض کمثل النجوم السماء یہدی بہا فی ظلمات البر والبحر واذا الطمست النجوم اوشک ان تضل الہداۃ :......

افتخار العلماء کی تصنیفات و تالیفات بہت زیادہ ہیں اور کبھی کسی نہ کسی ضرورت کے تحت لکھی گئی ہیں۔ کچھ ایسی منفرد اور اچھوتی ہیں جن پر آج تک قلم نہیں اٹھایا گیا ہے۔ تمام تصانیف و تالیفات و تراجم میں سلیقہ، احتیاط، توازن اپنے باہمی تال میل کے ساتھ قاری کو دلچسپی وافادیت فراہم کرتے ہیں۔ وہ موضوع کے تنوع کو الجھانے کے بجائے سادہ و آسان بنا دیتے ہیں۔ کم سے کم الفاظ میں زیادہ مغز و مفہوم سمیٹنا اُن کی تحریری خصوصیت تھی۔ وہ کتب خانہ ناصریہ



سے وابستہ رہے۔ مدرسۃ الواعظین کے کتب خانہ سے منسلک رہے شیعہ عربی کالج میں بھی مختصر سہی ایک کتب خانہ تھا جو محض افتخار العلماء کی وجہ سے اپنے اندر زندگی کے آثار رکھتا تھا۔ متذکرہ کتب خانوں سے انھوں نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور انھیں اپنی تصانیف میں منتقل کرکے تشنگان علم و دانش تک پہونچایا ان کی کتابوں کی تعداد دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جو بیک وقت بہت سے متحرک فعال اداروں سے وابستہ ہو بہت سی تحریکوں کا بانیان گزار ہوا ور اس میں وقتاً فوقتاً حرکت کی روح پھونکنے کے لئے خود متحرک ہو ایسے مصروف شخص کے پاس تصنیف و تالیف یا ترجمے کا وقت کہاں سے فراہم ہو جاتا تھا۔ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں

ہماری پوری زندگی درس و تدریس و تصنیف تالیف میں گزری۔ بحمد اللہ اس وقت بھی اس کا سلسلہ جاری ہے اور انشا اللہ جب تک بقید حیات ہوں سلسلہ جاری رہے گا۔ میری تصنیف و تالیف و تراجم حسب ذیل ہیں۔

ذریعۃ النجات ترجمہ وسیلۃ النجات مطبوعہ نجف اشرف ترجمہ ابصار العین فی انصار الحسین۔

تحقیق حق — مسئلہ خلافت پر سیر حاصل بحث

احتجاجات	پانچ جلدیں ناتمام عربی
ضیاء العین	زندگانی علامہ سید حامد حسین رحمۃ
مصائب الشیعہ ۵	اب تک سات جلدیں طبع ہو چکی ہیں
عصر حاضر اور علامات ظہور	
ترجمہ احقاق الحق	باب امامت غیر مطبوعہ

جواہر صدف رسالت

ترجمہ رسالۂ حقوق امام زین العابدین

غیبت۔ ترجمہ رسالہ شیخ مفید

جواز لعن یزید

مناظرہ ہشام بن حکم

اصحاب امیرالمومنین کی قربانیاں تین جلدوں میں

شہداء اربعہ

النجف الاشرف

تعمیر روضہ سیدالشہداء

عظمت شہداء کربلاء

دو ناصر

تاریخ کتب خانہ ناصریہ

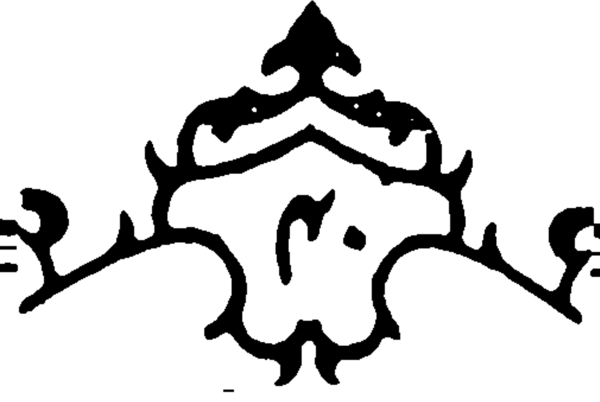
حیات النصیر نصیرالحیات

قول جلیل در رد کتاب امام اسماعیل ملاحسین علی ساگپوری

تاریخ خوجہ اثنا عشری

صدر اسلام کے افریقی مسلمان اس کتاب کا انگریزی و سہیلی ترجمہ افریقہ میں شائع ہو چکا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام



امام محمد تقی علیہ السلام

بدعت تراویح

امام منتظر — ایک سنی عالم کی تصنیف البیان کا ترجمہ

شہنشاہ حبشہ النجاشی

حالات سرکار ناصر الملت

حالات نصیر الملت

جواب باب اول تحفہ — کامل

جواب باب دوم تحفہ

جواب باب چہارم تحفہ

جواب باب پنجم تحفہ

جواب باب ششم تحفہ

حالات صاحب تحفہ

جواب باب دہم تحفہ — زیر ترتیب

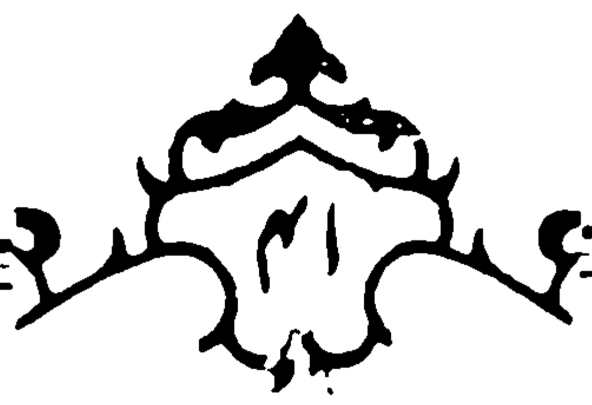
مختصر حالات آئمہ اثنا عشر

محسن اسلام — حصہ اول

محسن اسلام — حصہ دوم

احسن المطالب — از زبان امیر المومنین علی بن ابی طالب بمقابلہ شوریٰ

فضائل ابی تراب عن روایۃ عمر بن الخطاب



مناقب امیر المومنین از زبان امیر المومنین

مبغضین حضرت علی۔ معاویہ و ناصبی حکومتیں مرتبہ ابو جعفر اسکافی

دلائل یقینیہ

ماخذ عبقات الانوار

ترجمہ خلاصہ کتاب العثمانیہ

مواعظ مسجد کوفہ

صحت نامہ کتاب انجام

منابع البلاغہ

نماز شب

شیعت اور اسلام (شیعوں پر کفر کے فتوے کا جواب)

ترجمہ صادق آل محمد

ترجمہ احقاق الحق   توحید و نبوت مطبوعہ

گناہان کبیرہ   ناکمل ترجمہ

صاحب الامر

وہابیین ایران کا طریقہ کار

کارنامہ تبلیغ ملا علی قادری

ذوق شعری

قدرت نے آپ کو بڑی لطیف طبیعت عطا کی تھی۔ اس لطافت پر کمالات علمی نے رنگ چڑھایا۔ احساس جمال، شدت جذبات، آہنگ و ترنم، جذب و کیف غرض تمام فنی محاسن کے وفور کے ساتھ ان کی داخلیت سرشار و شاداب تھی۔ لیکن وہ اس نعمت خداوندی کو مخصوص سمجھتے تھے محمد و آل محمد کی مدح و ثنا کے لئے اُن کی نظر اس حدیث معصوم پر تھی کہ جو بھی اپنے جذبات کا مظاہرہ آل محمدؐ کی ڈیوڑھی کے علاوہ کرے وہ مشرک ہے (بحار) انھوں نے اس نعمت کو ادائے اجر رسالت کا ذریعہ بنالیا۔ جس سیال طبیعت کے پیش نظر کمیت، فرزدق، دعبل، حمیری، عونی اور سید رضی کے ابد آثار کلام ہوں اس میں شعر کی تڑپ ہونا بھی چاہئے۔ بڑے اچھے اشعار کہتے تھے اور ماہر تخلص فرماتے تھے جو لوگ

آپ کی شعری صلاحیتوں سے واقف تھے وہ اپنے مقاصدے یامسالمے کا مصرع طرح پیش کردیتے تھے۔ آپ اس پرطبع آزمائی بھی فرماتے تھے لیکن کبھی مجمع میں کلام نہیں پڑھا گیا یا پڑھا گیا تو داد وتحسین دوسروں کے حصّے میں آئی آپ اہل دنیا کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ آل محمد کی خوشنودی کے لئے شعر کہتے تھے، وہ بکھرے اور بوسیدہ اوراق آج مکان کے گوشوں میں مکڑی کے جالے توڑنے کی سعی کررہے ہیں۔

عصر حاضر کے فقہاء علماء محسن الملت جناب مولانا محسن نواب صاحب قبلہ، ظفر الملت جناب سید ظفر الحسن صاحب قبلہ وغیرہ کی بزم ذکر وفن کے ایک رکن تھے! اساتذہ فن اور رفقاء الکلام شعراء قیس زنگی پوری سالک لکھنوی مہذب لکھنوی اکمال لکھنوی آپ کی داد وتحسین کو سند سمجھتے تھے۔

اخلاق

تمام برائیوں کا منبع حب دنیا ہے۔ اس کے مختلف سرچشمے حب جاہ، حب مال حب نفس وغیرہ انسان کے اندرونی و داخلی کیفیات کو رذائل سے بھر دیتے ہیں۔ حرص وطمع بخل وریا۔ غصہ، حسد، کینہ، غیبت، دروغ گوئی۔ غلط احساس برتری دلشکنی تکبر وغیرہ اسی حب دنیا کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے احادیث وآیات میں اس کی کثرت سے مذمت وارد ہوئی ہے۔ افتخار العلماء کے اندر حب دنیا کا شائبہ نہیں پایا جاتا تھا۔ ان کا سادہ رہن سہن، بوسیدہ مکان، متواضع چہرہ پکار پکار کر اعلان کرتا تھا۔ کہ دنیا مردار ہے اس کی طرف توجہ بیکار ہے وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ دنیا خانہ بدوشوں کا گھر ہے مفلسوں کا مال ہے۔ دنیا وہی جمع کرتا ہے۔ جس کے پاس عقل نہیں ہوتی اس کی طلب میں وہی سعی کرتا ہے جو بے علم وجاہل ہوتا ہے۔ اس پر وہی حسد کرتا ہے جو فقہ سے عاری ہوتا ہے جسے علم الیقین ہو جاتا ہے وہ دنیا سے بیزار ہوتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ دنیا طلبی چار چیزیں دل میں پیدا کر دیتی ہے۔ ایسا غم جو کبھی دور نہ ہوسکے ایسی مصروفیت جو کبھی ختم نہ ہوسکے ایسی مفلسی جو کبھی تونگری کا نمونہ دیکھ سکے اور ایسی مصروفیت جو ثبات و دوام نہ ہوسکے۔

افتخار العلماء کی زندگی بڑی سادی اور مرنجان مرنج تھی۔ دوسروں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد بنا لیتے تھے دینی طلبہ پر خاص طور سے شفقت فرماتے تھے ان کی لغزشوں کو انتہائی بردباری سے نظر انداز فرما جاتے تھے۔ اپنے محسنوں اور بزرگوں کی مذمت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ فوراً شمشیر برہنہ ہو جاتے تھے۔ خاص طور سے اپنے ان اساتذہ کے لیے ان میں بہت تعصب تھا جنھوں نے آپکی زندگی سنواری تھی۔ خانگی زندگی میں بھی شفقت وترحم اور احسان کا برتاؤ تھا جس طرح خود دوسروں کے کام آتے تھے، اپنے متعلقین کو بھی ایثار کی تعلیم فرماتے تھے اس سلسلے میں زبان سے زیادہ عمل کو بروئے کار لاتے تھے۔ فیض آباد کے مومنین

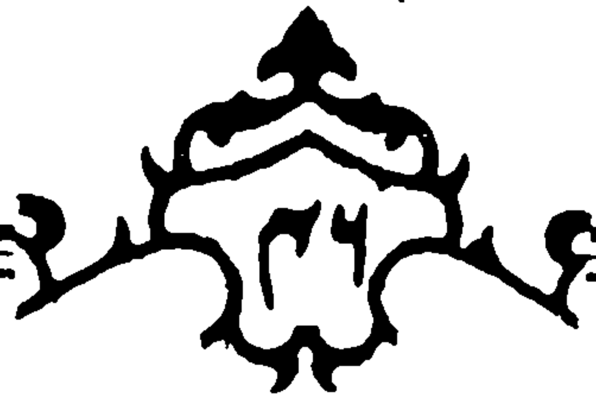
کا بیان ہے کہ جب آپ وثیقہ کے پرنسپل تھے تو طلبہ و مدرسین پر شفقت و ترحم کی ایسی بارش فرماتے تھے اسقدر خیال رکھتے تھے کہ جس طرح خاندان کا بزرگ خیال رکھتا ہے۔ لیکن یہ شفقت و ترحم کی عادت اصولوں سے متصادم نہیں ہوتی تھی۔ اگر بات اصول کی ہوتی تھی تو اپنوں کو بھی نظر انداز کر دیتے تھے اور تائید حق کے سلسلے میں مخالفین سے بھی ہاتھ ملا لیتے تھے۔ بلکہ ہر ممکن تعاون پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ ان کی نفرت و محبت کا معیار شریعت اور مذہب تھا اس سلسلے کا بہت اہم واقعہ فیض آباد میں پیش آیا جو آج بھی زبان زد خاص و عام ہے۔ جونپور کے بعض موثق حضرات نے فرمایا کہ اگر مولانا کے سامنے کسی کی برائی کی جاتی تھی تو مولانا قرآن کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے تھے۔ اور اس کی باتوں پر توجہ نہیں دیتے تھے۔

دینی خدمات

افتخار العلماء کی پچھتر سال سے زیادہ زندگی اکتساب فضائل، جدوجہد، حسن کردار اور نشر محاسن میں گذری ان کی زندگی کا کچھ زمانہ تمدن سے حاصل کرنے کا ہے اور زیادہ تر زمانہ اس قرض کو لوٹانے کا ہے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ اب انسانیت ان کی قرضدار ہے انھوں نے دین، سماج، معاشرہ اور تمدن کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں ان کا حصار و احاطہ ناممکن ہے۔ ایک بلند ترین کردار ایک نفیس ترین نفیس ترین ذہانت کی بھرپور جدوجہد کا اندازہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔ کردار وعمل کا ایک لمحہ تجزیہ سے بالاتر ہوتا ہے یہاں تو پورے پچھتر سال کے شاندار کارنامے بکھرے پڑے ہیں۔

افتخار العلماء دو سال کی عمر ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔ سات آٹھ سال کی عمر میں چچا کی تشویق پر علم دین حاصل کرنے لکھنؤ آگئے۔ یہاں قسمت نے ان کی یاوری کی اور مرکز علم و دین سرکار ناصر الملۃ کی آغوش محبت مل گئی۔ ظرف و صلاحیت میں کمی نہیں تھی۔ وسائل واسباب دستیاب تھے۔ حالات پوری طرح ممد تھے ایسے میں انھیں کندن بن کر نکھرنا ہی تھا۔

ہمارے معاشرتی مسائل میں ایک بڑا پیچیدہ مسئلہ صلاحیتوں کی زیاں کاری کا ہے۔ کیسے کیسے صاحبان فن، ارباب صلاحیت "فاما بنعمۃ ربک فحدث" کی آیت بھولے بیٹھے ہیں ان میں علماء بھی ہیں اور فقہا بھی، دانشور بھی ہیں قلمکار بھی شاعر بھی ہیں اور سماجی خدمت گار بھی۔ ان حالات کی زیادہ تر ذمہ داری ماحول اور عدم وسائل پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن کچھ نہ کچھ ذمہ داری خود ان افراد پر بھی ہے جو خداوند عالم کی نعمتوں سے لدے پھندے احساس ذمہ داری سے عاری سپاٹ زندگی گذار رہے ہیں۔ ان کی سستی و کاہلی جدوجہد سے مانع ہے۔ ایک مومن کی نظر وقت کی ضرورتوں پر ہوتی ہے۔ ضرورتوں کے وقت تعاون



کے احساس پر ہوتی ہے۔ احساس و نظر سے عاری ہونا کفرانِ نعمت ہے اور ہر شخص عنداللہ مسئول ہے۔

افتخار العلماء کا وجود کمالات و محاسن سے معمور تھا خود انھیں اس کا احساس بھی تھا۔ اور خود کو عنداللہ مسئول سمجھتے تھے اس لیے جب بھی دین و شریعت، سماج و معاشرے اور مذہب و انسانیت نے ان کی ضرورت محسوس کی وہ آگے بڑھے اور اپنی صلاحیتیں نذر کیں۔

یہاں صرف انھیں چیزوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو تشیّع، ثقافت تعلیم، صحافت اور دینی اداروں سے متعلق ہے۔ ان کا احساس ترین زمانہ طالب علمی سے آخری سانسوں تک پھیلا ہوا ہے۔ نہ کبھی تھکے نہ کم ہمتی دکھائی، نہ وقت کو ٹالا نہ آج کا کام کل پر چھوڑا اور جو کچھ کیا بہتر طریقے سے کیا۔

علی گڑھ یونیورسٹی شعبہ دینیات کے مستقل ممتحن تھے۔ شیعہ کالج جونپور کی بورڈ آف ٹرسٹیز کے ممبر اور مدرسہ ناصریہ جونپور کی مجلس انتظام کے صدر تھے۔ شیعہ کالج لکھنؤ کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے ممبر اور شیعہ عربی کالج لکھنؤ کے پرنسپل تھے۔ مدرسۃ الواعظین کی مجلس انتظامیہ کے ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ ادارے کے ترجمان الواعظ کے مستقل نگراں اعلیٰ تھے وہ اس ادارے کے بھی مستقل ممتحن رہے۔ حوزہ علمیہ مظفر نگر کے نگراں اور صدر مجلس علماء بھی تھے۔

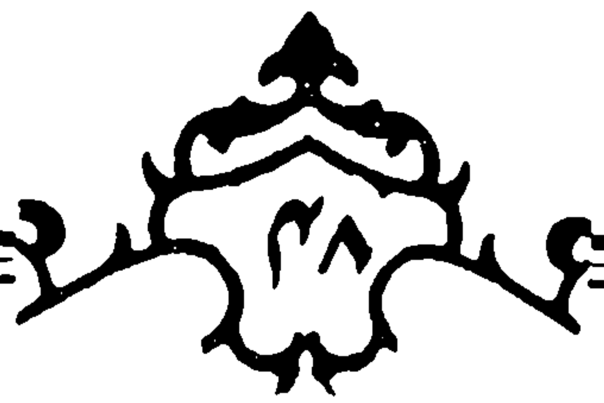
شیعی دنیا میں تقریر کی للک نے عارضی تسکین کا ماحول پیدا کر دیا ہے۔ اس کی وجہ سے جو کچھ نفسیاتی جمود کے اندیشے پیدا ہو رہے ہیں ان کے سدباب اور ایسی کتابیں دیکھ کر جن سے عقیدے میں کمزوری یا بدعقیدگی پیدا ہو ان کی تردید کے لیے شیعہ مشن کی بنا رکھی ادارہ ناصر العلوم یا علمی کتاب گھر کا ادارہ مفید اور ضروری کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں کافی کامیاب اقدامات کرتا رہا۔ بدقسمتی سے ہمارا مزاج خطابت اور اس کے لوازمات میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ بلاشبہ خطابت نے ہماری اہم ترین اور مفید خدمات انجام دی ہیں لیکن یہ دوررس تو نہیں۔ اس کے اثرات بھی عارضی ہوتے ہیں۔ خطابت صرف حال کی مورچہ بندی ہے۔ مستقبل کے لیے کیا ہے؟ خطابت ہی کو سب کچھ سمجھنے کی وجہ سے کتابوں کے بے نیازی کا ایسا ماحول بنا

ہو گیا ہے کہ اب لوگ کتابیں خریدنا غیر ضروری عمل سمجھنے لگے ہیں۔ مذہبی کتابوں کی خریداری صرف **چند مخصوص کتابوں** اور چند مخصوص دعاؤں تک محدود ہے۔ ہمارے علما کی عظیم تحریری خدمات جو ثقافت، معاشرت اقتصاد، سماج اور جدید عصری مسائل سے متعلق ہیں انھیں نہ ہم جانتے ہیں نہ اس سے استفادے کی فکر کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ علما و دانشور حضرات اپنے اپنے حلقہ اثر میں لوگوں کو اس طرف متوجہ کریں۔ ادارہ ناصر العلوم اسی مقصد سے قائم کیا گیا تھا۔ علمی کتاب گھر نے یہ کتابیں بھی شائع کیں۔ اس کے علاوہ بھی افتخار العلماء دوسرے مساعی میں نمایاں کردار ادا کرتے رہے۔ مثلاً العلم جیسے مفید پرمغز رسالہ کی ہئیت تحریر کے رکن تھے۔

افتخار العلماء تحفظ تشیع کے سلسلے میں نچلی سطح کو مضبوط واقفیت کی بنیاد پر استوار کرنے کے حق میں تھے۔ اس مقصد کے تحت حب دینی واقفیت کے ساتھ بچوں کی تعلیم کا عظیم منصوبہ بنایا گیا تو پوری لگن اور تعاون کے ساتھ اس تحریک کے ساتھ ہو گئے۔ وہ تحریک تنظیم المکاتب کے بانیوں میں تھے اور اس کے مد بھی رہے۔

طالب علمی کا زمانہ بھی بڑا فعال تھا۔ علمی ادبی و ثقافتی اداروں کی تاسیس و ترقی کے لیے بچپن ہی سے تعاون کا ہاتھ بڑھا کر تجربے حاصل کرتے رہے۔ اپنے ہمکاروں کے ساتھ ادارے تشکیل دے کر کارواں بناتے رہے۔ مدرسہ ناظمیہ کی انجمن معراج الکلام کے بانی تھے۔ یہ انجمن دو تین ساتھیوں کے اشتراک و تعاون سے بنی تھی۔ استاذ الاساتذہ مولانا سید ایوب حسین صاحب قبلہ مرحوم پروفیسر معقولات جامعہ ناظمیہ اور محقق بصیر، ادیب عصر مولانا مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ مرحوم اور افتخار العلما کی متفقہ مساعی تھی۔ یہ انجمن جامعہ ناظمیہ کی ہئیت تقریر پر مشتمل تھا۔

اس مختصر سوانحی تذکرے میں جو کچھ دینی خدمات کو تحریر کیا گیا ایسا نہیں کہ سب کا احاطہ کر لیا گیا ہو۔ ان کی خاموش دینی خدمت کا جذبہ مشک کی طرح تھا وہ خود کبھی کسی سے بیان نہیں کرتے



تھے . جو کچھ دوسروں سے معلوم ہو سکا تحریر کر دیا گیا ہے ان میں اجمال مدنظر رکھا گیا ہے ان کی تفصیلات کے لیے صفحات درکار ہیں - جب فخر الاتقیاء مولانا وصی محمد صاحب قبلہ مدرسۃ الواعظین کے پرنسپل تھے اور وہ علیل ہوئے تو درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے افتخار العلما کو بلایا گیا۔ مدرسۃ الواعظین کے کارناموں کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ لگ بھگ ستر سال کی پہنائیوں میں بکھری ہوئی اس تاریخ کے دامن میں درخشاں خدمات کے گہر ہائے آبدار ہیں۔ اس کے نشاۃ ثانیہ کی کوئی تحریک ایک عامی کی نظر میں کیا اہمیت رکھتی لیکن جب افتخار العلماء کے سامنے اس کی بات آئی تو آپ انتہائی حساس بن گئے' ان کے سامنے سرکار نجم العلما؁ کے مقاصد' راجہ صاحب محمود آباد کا ایثار اور خطیب اعظم علامہ سبط حسن صاحب؁ کی کوششیں گونجنے گرجنے لگیں۔ اپنی ضعیفی و علالت کے باوجود اس بلا تنخواہ علمی و دینی خدمت کو ڈیوٹی کی طرح برتنے لگے۔ روزانہ پابندی کے ساتھ سات بجے صبح مدرسہ میں حاضر ہو جاتے تھے متعلقہ کاموں کو انجام دیتے تھے گیارہ بجے دن میں مدرسہ سے کتب خانہ ناصریہ تشریف لے جاتے تھے۔ وہاں تحریری مشاغل اور مطالعاتی سرگرمیوں میں مشغول رکھتے اور مشغول رہتے ۔ وہاں سے تین بجے سہ پہر کو شیعہ عربی کالج تشریف لاتے تھے اس طرح شام کو چھ بجے گھر واپس آتے ۔ یہ معمول مدتوں جاری رہا۔ ان تمام جانفشانیوں اور وقیع خدمات کا صلہ جو کچھ ذمہ داران مدرسۃ الواعظین نے دیا وہ اہل دانش اور ہم سب کے لیے افسوسناک ہے۔

چھٹی دہائی کے اواخر میں جامعہ ناظمیہ کی امارت کا مسئلہ بھی ان کی بے پناہ صلاحیتوں کا اظہار و اعلان بن گیا تھا۔ سرکار مفتی اعظم؁ ضعیفی کی وجہ سے عملی طور پر انتظام سے معذور ہو چکے تھے۔ کسی ایسے فقیہ کی تلاش تھی جو اس ادارے کو مادی و معنوی اعتبار سے ترقی دے سکے آپ کی نظر افتخار العلماء پر مرکوز ہو گئی، مفتی اعظم نے آپ کو پرنسپل نامزد کر کے سرفراز اخبار میں اعلان بھی فرما دیا تھا لیکن بعض حالات کی وجہ سے اسے عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکا بلکہ سرکار امیر العلماء کو اس کی ذمہ داری سونپی گئی ۔ الحمد للہ ان کی قیادت

میں مدرسہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ اور خدا کرے یہ ادارہ اسی طرح ترقی کے منازل طے کرتا رہے۔
درس و تدریس کے شغف نے سلطان المدارس اور جامعۃ التبلیغ کی رضاکارانہ پیشکش پر بھی انہماک کا مظاہرہ
فرمایا۔ بڑی دلچسپی سے ہر دو اداروں کے طلبہ کی علمی تشنگی دور کرتے رہے۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز

افتخار العلما شروع ہی سے انقلاب ایران کے ہم خیال اور اس کے اقدامات کی اپنی سطح پر توسیع و اشاعت کرتے رہے۔ اس سلسلے میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اس کے مقاصد سے روشناس کراتے رہتے تھے۔ اس کا انتہائی نازک اور اہم موقع آیۃ اللہ الحکیم کے انتقال کے وقت آیا چونکہ افتخار العلما کی نظر انقلاب کے پس منظر، اسباب و عوامل اور نتائج پر گہری تھی اس لیے اس نازک وقت میں بہت ہی چاق و چوبند ہو گئے۔ آپنے فوراً ہی شیعیان ہند کو آیۃ اللہ الخمینی ؒ کی تقلید کا مشورہ دیا۔ اس کی کچھ تفصیل سید احمد روحانی کی کتاب نہضت امام خمینی میں موجود ہے۔

شہر لکھنؤ از زمان سابق تا این زمان از مراکز مہم تشیع در ہندوستان شمردہ می شود
بعد از وفات مرحوم آیۃ اللہ حکیم عدہ ای از علماء روحانیون این شہر حجۃ الاسلام
السید علی ناصر سعید عبقاتی، حجۃ الاسلام سعادت حسین خاں، حجۃ الاسلام الشیخ
محمود الحسن حجۃ الاسلام الشیخ روشن علی مولوی سید احمد مولوی سید سکندر حسین فاضل
سید محمد مہدی زید پوری (استاد معقولات در جامعہ سلطانیہ) اعلان کردند کہ حضرت
آیۃ اللہ خمینی مدظلہ الوارف اعلم ہستند و بہ شیعیان ہندوستان امر تقلید از ایشان
را دادند ولی ہمان وقت کہ این اعلان چاپ شد سفیر ایران از دہلی بہ لکھنؤ مسافرت
کرد .. .. تا مردمان را از تقلید حضرت آیۃ اللہ خمینی نہی
کند در اثنای صحبت با سخنہائی اہانت آمیز از آیۃ اللہ خمینی یاد و آقایان سید
محمد کاظم شریعتمداری و خوانساری را برائی تقلید پیشنہاد کرد و آن عدہ ای کہ

در تائید حضرت آیۃ اللہ خمینی اعلان کردہ بودند در مقابل حرفہائی سفیر مرعوب نشدند ص۶۴

شہر لکھنؤ قدیم زمانے سے آج تک ہندوستان میں تشیع کے اہم مراکز میں شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت آیۃ اللہ حکیم کے انتقال کے بعد اس شہر کے چند روحانی علماء نے جن میں حجۃ الاسلام سید علی ناصر سعید عبقاتی حجۃ الاسلام سعادت حسین خاں صاحب قبلہ حجۃ الاسلام محمود الحسن خاں صاحب حجۃ الاسلام شیخ روشن علی خاں صاحب مولانا سید احمد صاحب مولانا سکندر حسین صاحب مولانا سید محمد مہدی زید پوری (پروفیسر معقولات جامعہ سلطانیہ) پیش پیش تھے۔ اعلان کیا کہ حضرت آیۃ اللہ خمینی اعلم ہیں۔ اور ہندوستان کے تمام شیعوں کو آپ کی تقلید کرنے کی تاکید فرمائی لیکن جیسے ہی یہ اعلان شائع ہوا سفیر ایران دہلی سے لکھنؤ میں وارد ہو گیا۔ . . . . تاکہ لوگوں کو حضرت امام خمینی کی تقلید سے باز رکھ سکے۔

علماء سے ملاقات کے درمیان حضرت امام خمینی کا توہین آمیز تذکرہ کیا اور کچھ دوسرے مراجع کا نام تقلید کے سلسلے میں پیش کیا۔ جن علماء نے امام خمینی کی تقلید کا اعلان کیا تھا انھوں نے سفیر ایران کی یاوہ گوئی پر کوئی توجہ نہیں کی اور نہ مرعوب ہوئے۔

افتخار العلماء نے اس کے بعد اس تقلید کی ترویج اور رعلیہ کی اشاعت کے سلسلے میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ آپ کی دوررس آنکھوں نے جو کچھ ۱۹۶۹ء میں دیکھ لیا تھا وہ عملی شکل میں دس سال بعد ظاہر ہوا۔ یہ دینی خدمات کے سلسلے میں آپ کی حوصلہ مندی، دور اندیشی اور معاملہ فہمی اور عزم و استقلال کا ایک نمونہ تھا۔

انقلاب کے انتہائی حساس اور بحرانی حالات میں جس طرح بھی ہوا اپنے کو اس سے کسی نہ کسی طرح وابستہ رکھا چنانچہ ڈاکٹر ہادی نجف آبادی ـــــ ممبر مجلس شوریٰ اسلامی ایران۔ آیۃ اللہ احمد خمینی اور حجۃ الاسلام ہاشمی رفسنجانی کے قریبی ساتھی ـــــ انقلاب کے زمانے میں ساواک معتوب تھے۔ شاہ کی نظران پر تشددانہ

پڑتی تھی۔ انھوں نے اپنے مجاہدانہ کارناموں سے پہلوی خاندان کو لرزہ براندام کر رکھا تھا۔ اپنی جدوجہد کے کے مراحل میں ہندوستان تشریف لائے تھے اور انتخا العلماء کے یہاں دو تین ماہ تک قیام کیا تھا۔ آپ نے ان کی انقلابی قوت کو مہمیز کیا۔ ہمت بڑھائی اور اپنے وسائل و اثرات کی حد تک مدد کی۔

بابری مسجد کا قضیہ اب ہندوستان کی سطح سے آگے بڑھکر بین الاقوامی پیمانے پر مرکز توجہ بن گیا ہے۔ اس قضیے میں خالص دینی و شرعی نقطۂ نظر سے آپ ہی نے روح پھونکی۔ آزادی کے بعد جس وقت یہ قضیہ شروع ہوا آپ فیض آباد ہی میں ایک علمی و دینی ادارے کے پرنسپل تھے۔ عام مسلمانوں کی نظر میں بلا تفریق مسلک محترم تھے اسی لئے جس وقت مسجد میں مورتی رکھی گئی تو شہر کے عمائدین و رؤساء آپ ہی کے پاس مشورے کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے اس مسئلے میں جسقدر ہوش یا جوش کی ضرورت تھی اس کی رہنمائی کی۔ حکومت کی پرواہ کئے بغیر خود آگے بڑھکر مورتی ہٹانے کا اعلان کیا لیکن چونکہ یہ قومی و دینی کام اجتماعی تعاون کا متقاضی تھا اس لئے عام مسلمانوں کی سرد مہری دیکھ کر مسجد سے مورتی نکال پھینکنے کا عمل انجام نہ دے سکے لیکن بہرحال آئینی جدوجہد سے کبھی پیچھے نہیں رہے۔ آپ کو اس کی بھاری قیمت چکانی پڑی۔ لیکن اپنی دلچسپی نہ تو کم کی نہ حکومت کے اندیشۂ استبداد سے مرعوب ہوئے

ان کے علاوہ مقامی و علاقائی سطح پر دینی خدمات کا احصار مشکل ہے۔ مثلاً سلطانپور کے امامباڑے کی تعمیر، تالاب تکیہ رائے کی مسجد کی تعمیر و واگذاری، منصور نگر کی دو مسجدیں جو ویران ہو چکی تھیں اور ایک تقریباً منہدم ہو چکی تھی مومنین کو آمادہ کر کے تعمیر و آباد کرایا۔ آپ انجمن تعمیر مساجد کے سرپرست و بانی تھے۔ جنت البقیع تال کٹورہ روڈ کی تعمیر میں سرگرمی دکھائی۔ اپنے وطن اہمٹ میں متعدد دفعہ مکتب قائم کیا بحمد اللہ انھیں کی تشویق و دلچسپی سے اس وقت چار مکتب قائم ہیں۔ اہمٹ کی جامع مسجد کی تعمیر کی۔ افریقہ میں آپ کی دینی خدمات کے لئے صفحات درکار ہیں۔ وہاں کی تبلیغی ضرورتوں کو

محسوس کرکے آپ نے کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کی تصانیف میں انکا تذکرہ ہو چکا۔ جو کچھ علمی خدمات انجام دیں ان کا اندازہ آپ کی فعالیت سے کیا جا سکتا ہے سنہ۔۔ئ میں پاکستان عشرۂ محرم پڑھنے گئے برسوں کے بچھڑے علمی رفقار کے ساتھ تحفظ حقوق کا طریقۂ کار اور اس کا لائحہ عمل مرتب کیا۔ کچھ دینی علمی خدمات ایسی ہیں جن کی قدر وقیمت متعین کرنے کے لیے روحانی ومعنوی ظرف درکار ہے۔ خود افتخار العلمار کی زبانی سنئے:

عرصہ ہوا ہمارے شیخ الحدیث علامہ السید شہاب الدین مرعشی مدظلہ العالی نے میری نجوم السماء منگوائی تھی۔ جب وہ کتاب موصوف کو ملی تو انھوں نے کسی کتاب فروش کو حکم دیا کہ اسے پھر سے شائع کرے چنانچہ جو نسخہ مطبع جعفری نخاس لکھنؤ میں چھپا تھا اسی کو چھاپ دیا۔ اور ایک نسخہ میرے لیے بھیج دیا میں نے اسے دیکھا تو خوش ہو گیا۔ میں نے ان سے التماس کی کہ مرزا محمد علی کے فرزند علامہ مرزا احمد مہدی نے تکملہ نجوم السماء تصنیف کی ہے۔ موصوف نے تحریر فرمایا کہ اس کا عکس میرے پاس بھیج دو کافی جستجو اور تلاش کے بعد اس کا ایک بہترین نسخہ کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد میں ملا اسکی تین جلدیں تھی میں نے سب کا عکس کروایا اور آیۃ اللہ مرعشی کی خدمت میں قم روانہ کر دیا۔ چنانچہ دو جلدوں میں اسے شائع کرا دیا۔ علامہ مرعشی نے بطور تشکر یہ تحریر فرمایا۔

وفی الختام اقدم خالص الشکر الی الافاضل الذین ساعدونی فی انتشار ھذا الکتاب وھم العلماء الاجلاء حج الاسلام الحاج السید احمد الحسینی الاشکوری والحاج شیخ اسماعیل رجبی الھند والمولوی سعادت حسین نزیل الھند وارجومن اللہ سبحانہ

کتابوں میں ان کا والہانہ پن ہر شخص محسوس کر سکتا تھا۔ وہ ہندستان کے گزرے روحانیوں کی علمی و دینی کاوشوں کے بڑے رسیا تھے ان کی انتہائی خواہش تھی کہ جن علماء نے ماضی میں تحریری خدمات انجام دی ہیں اور وہ کسی سبب سے منظر عام پر نہیں آسکی ہیں۔ ان کی طباعت واشاعت کا انتظام کیا جائے اس سلسلے میں جو شخص بھی نشاندہی کرتا تھا اس کے بڑے ممنون ہوتے تھے اس کے حصوا ہیں غیر معمولی دلچسپی دکھاتے تھے ملاقات کے دوران فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے وہ مخطوطات ومطبوعات کی کوئی بات چھیڑ دیتے تھے۔

لکھنؤ کی عزاداری

عزاداری ہماری شہ رگ حیات ہے۔ اسی پر ہماری اجتماعی زندگی کا انحصار ہے۔ لکھنؤ جیسے مرکزی شہر میں لگ بھگ بیس سال ہونے کو آئے ہمارے جلوس عزا بند ہیں۔ نہ حکومت کچھ توجہ دیتی ہے نہ ہمارے اندر کا حوصلہ بھڑکتا ہے۔ وقتاً فوقتاً پرسکون سمندر میں کنکری کی طرح احتجاج کی لہر اٹھتی ہے پھر جذبے سرد پڑ جاتے ہیں۔ داخلی انتشار ہمیں بلند مقاصد کے لئے متحد ہی نہیں ہونے دیتا۔ افتخار العلماء اسی کرب میں مسلسل مبتلا رہے۔ وقتاً فوقتاً زعمائے ملت اور روحانیوں کو متوجہ کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ پندرہ مہینے کی طویل علالت کے زمانے میں بھی اگر کوئی بااثر شخصیت آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوتی تو آپ نے اس کو مسئلے کی طرف متوجہ کیا۔

ادھر آخری ایام میں آپکی توجہ کچھ زیادہ ہی ہو ہوگئی تھی۔ وہ بعض متعلقہ افراد کی خاموشی اور قوم کی سرد مہری سے کافی پریشان نظر آتے تھے۔ حکومت کو کیا پڑی ہے کہ خود پیش رفت کرکے ورد سر مول لے وہ کان میں تیل ڈالے بیٹھی ہے۔ انتقال کے ۲/۱ ماہ قبل آپ نے ایک خط زعمائے ملت علماء کی خدمت میں جاری فرمایا جس کے ایک ایک لفظ سے درد کرب اور تڑپ مترشح ہے۔ (خط اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

Saadat Husain Khan

Masoom Manzil Rustam Nagar

سعادت حسین خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معصوم منزل رستم نگر، لکھنؤ

سلسلہ نمبر ۔۔ ۔۔ ۔۔

مورخہ [illegible] ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ

بخدمت عالی مرتبت مولانا سید کلب صادق صاحب

و مولانا سید علی ناصر سعید صاحب و مولانا مرزا محمد اطہر صاحب

و مولانا سید حمید الحسن صاحب

[illegible] شیعوں کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے [illegible] مولانا سید مصطفیٰ حسین صاحب مرحوم طاب ثراہ کے انتقال کے بعد آپ لوگوں پر ہے لیکن میں بڑے رنج و الم سے یہ کہتا ہوں کہ باوجود اسکے کہ وزیر اعلیٰ یو پی بار بار یہ کہتے رہے کہ اقلیتوں کو ان کے حقوق دیئے جائیں گے اور وزیر اعظم راجیو گاندھی کا بھی یہی اعلان ہے لیکن آپ لوگ اس مسئلہ میں بالکل خاموش ہیں اور شیعوں کے حقوق عزاداری کیلئے نہ نرائن دت تیواری سے آپ حضرات نے کوئی مطالبہ کیا ہے نہ وزیر اعظم راجیو گاندھی سے ۔

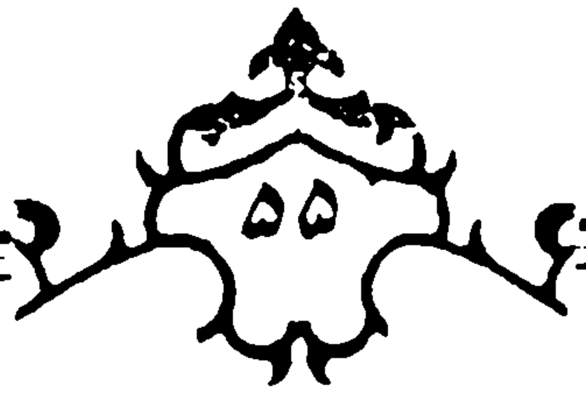
میں آپ حضرات سے محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ دیکر یہ گزارش کرتا ہوں کہ جلد از جلد آپ حضرات وزیر اعلیٰ یو پی اور وزیر اعظم ہند سے لکھنؤ کی عزاداری کی بحالی کے سلسلہ میں کوئی اقدام کیجئے ۔

ورنہ آپ حضرات شیعوں کے علاوہ امام حسین علیہ السلام کے سامنے بھی جواب دہ ہوں گے ۔

یہ چیز مسلم ہے کہ جب سے شیعہ سنی مسئلہ پیش ہوا ہے یا دیگر شیعوں کے مسائل آئے ان پر عوام شیعہ نے تمام تر علماء اعلام پر اعتماد کیا ہے اور وہ ابتک اس اعتماد پر باقی ہیں لہذا لکھنؤ کے شیعوں کے اس اعتماد کے بقا کیلئے آپ لوگوں پر یہ لازم ہے کہ جلد از جلد کوئی اقدام کریں تاکہ عزاداری کے جو جلوس بند ہیں پھر سے سابقہ روایات کے مطابق اٹھنے لگیں ۔

اگر آپ لوگ یہ اقدام خود نہیں کر سکتے تو جو شیعہ سیاسیات میں داخل ہیں ان کی ایک کمیٹی بنا دیجئے تاکہ وہ صوبائی اور مرکزی حکومت سے شیعوں کے حقوق آپ لوگوں کی نگرانی میں طلب کرنے کی جد و جہد کریں ۔۔۔ جناب والا شیعوں کی عزاداری کا مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جبتک آپ لوگوں کے اندر اور شیعوں کے اندر ایران اور لبنان کے شیعوں جیسا جذبۂ دینی پیدا نہیں ہوگا ۔

اس خط کی نقل انجمن ہائے ماتمی کی جماعت مرکزی اور علامہ موسوی اور تنظیم ملت اور دیگر افراد جمعیت کی خدمت میں روانہ کروں گا ۔



حقیقت یہ ہے کہ مسئلے کا تصفیہ اب ایران و لبنان کے شیعوں کی طرح مظاہرۂ جوش عمل میں منحصر ہو کر رہ گیا ہے حق مانگا نہیں جاتا حق لیا جاتا ہے. اور حق لینے کے لیے غاصب ہاتھوں کی طاقت کے مقابلے میں توانائی صرف کرنا پڑتی ہے ۔

اس مخلصانہ پکار پر بھی سابقہ خاموشی و سرد مہری دیکھ کر آپ نے اپنی وقیع شخصیت کو درمیان میں ڈال کر روحانیوں و زعمائے ملت کا نمائندہ جلسہ طلب کیا درگاہ حضرت عباسؑ میں ۲۳ ر جولائی ۸۹ء کو ایک بڑا جلسہ عام بھی ہوا۔ خدا کرے سرکار افتخار العلماء کی تڑپتی ہوئی روح کو سکون دینے کے لیے اس جلسہ میں جو کچھ طے ہوا اس پر جلد از جلد عمل کیا جائے ۔

آخری خدمت

ہندوستان میں شیعوں کی روحانی و معنوی ترقی کے سلسلے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں ۔ اس کے ذمہ دار جہاں مومنین ہیں وہیں علماء و واعظین بھی ہیں۔ مومنین میں شریعت سے وابستگی کی کمی ہے اور علماء کا مومنین سے کما حقہ رابطہ نہیں ہے ۔ پھر یہ کہ علماء آپس میں متحد و متفق بھی نہیں ہیں۔ تسبیح کے یہ بکھرے دانے جس دن ایک لڑی میں مربوط ہو جائیں مومنین کی شریعت سے وابستگی بھی ہو جائے۔ ہندستان میں تشیع کو آئنی تحفظات بھی مل جائیں۔ ہماری جدوجہد وقیع اور موثر بھی ہو جائے ۔ افتخار العلماء نے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی متعدد کوششیں کیں۔ آیۃ اللہ العظمیٰ الخوئی نے اس مقصد کے لیے آپ کو ایک خط کے ذریعہ متوجہ بھی فرمایا تھا ۔ ادھر اس قسم کی جتنی کوششیں ہوئیں ان میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

انتقال کے ایک ہفتہ قبل ۲۴ ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ کو ایک مجلس علماء و واعظین کی تشکیل فرمائی جس

جاری رہا۔ علماء، دانشور، فقیہ، محقق جس کے فیوض و برکات سے اپنی پیاس بجھاتے رہے۔ جس کے ایمان و عرفان کی خوشبو سے چمنستان ولایت چھ دہائیوں تک پھبکتا رہا۔ جس کے تقوی و تقدس کی ضیا باریوں سے

کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں ۔

(۱) نشر علوم آل محمد کی سبیل و سعی کرنا ۔

(۲) گذشتہ علماء کے دینی و علمی خدمات کو منظر عام پر لانا ۔

(۳) ارباب ایمان میں شریعت سے وابستگی کا جذبہ بیدار کرنا ۔

(۴) آئینی تحفظات کی روشنی میں مسلمانوں کے دینی علمی ثقافتی معاشرتی و اخلاقی مسائل کے طریقہ کار اور مقاصد کے حصول کی طرف صحیح رہنمائی کرنا ۔

(۵) مدارس دینی و طلاب دینی کی مالی و علمی و اخلاقی مدد کرنا ۔

ان بلند مقاصد کے حصول کی جدوجہد میں فعال علماء کی جماعت نے ہر قسم کے تعاون کا عہد کیا ۔ حجۃ الاسلام مولانا تقی الحیدری مدظلہ حجۃ الاسلام مولانا سید احمد حسن مدظلہ اور حجۃ الاسلام مولانا ممتاز علی مدظلہ کے ساتھ سرکار افتخار العلماء نے بھی ایک خط کے ذریعہ راقم الحروف کو ہر قسم کا تعاون عطا کرنے اور موثر جدوجہد کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنے کی تلقین فرمائی ۔ سرکار افتخار العلماء کی بزرگ اور تجربہ کار شخصیت اس تحریک کو فعال بنانے کی ضامن تھی ۔ افسوس کہ اہم وقت اور نازک لمحوں میں سرکار مرحوم ہم سے جدا ہو گئے خداوند عالم ہمیں خدمت دین کا جوش و جذبہ کرامت فرمائے ۔ سرکار افتخار العلماء کیساتھ تذکرہ علماء کرام کی دستخط سے تمام علماء ہند کی خدمت میں ایک خط روانہ کیا جانا تھا جو سرکار مرحوم کی وفات کی وجہ سے اب تک ارسال نہ کیا جا سکا اس سلسلے کی آخری اپیل سرکار مرحوم کی آخری دستخط سے عنقریب تمام علماء کرام و واعظین کی خدمت میں ارسال کی جائے گی اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا جائے گا ۔

وفات

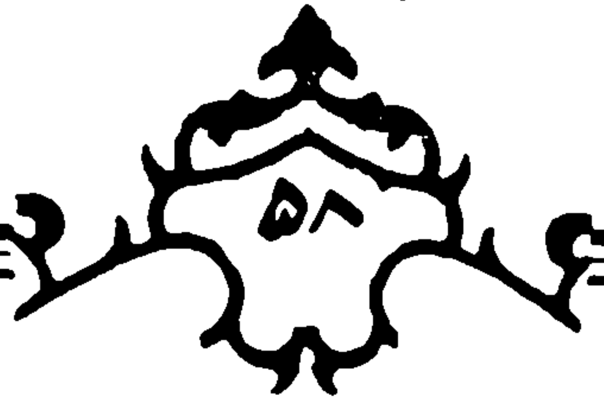
علم دین کا یہ ستون، عارف کامل ۔ فقیہ متبحر جس کے علم و حکمت کا دریا ہر خاص و عام کے لیے

تشیع کے اسرار و رخشاں رہے۔ ۳۰ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۸۹ء اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف کوچ کر گیا شام کے سات بج رہے تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت علم و دانش اور فقہ و دیانت کا آفتاب بھی غروب ہو رہا تھا۔

افتخار العلما کے احفاد کا بیان ہے کہ ایک ہفتہ قبل سے کسی اچھی اور مناسب تاریخ کے منتظر تھے جیسے آپ کو اپنی موت کی اطلاع ہو چکی تھی انتقال سے ایک دن قبل ۲۹ ذی الحجہ کو فرمایا کہ محرم کا چاند ہوا یا نہیں؟ ایک ہفتہ قبل فرمایا تھا کہ میں چند دنوں کا مہمان ہو جیسے ہی حالت احتضار شروع ہوئی آپ لقاء الٰہی کے لیے اپنے کو تیار کرنے لگے۔

انتقال کی اطلاع ریڈیو کے صوبائی نشریے سے، ٹی وی سے، ریڈیو تہران سے، اور دوسرے مراکز اطلاعات سے مومنین کو ہوگئی۔ اخبارات نے بھی اس خبر کو اہمیت دی۔ خطباء و علماء کو جہاں بھی اور جس وقت بھی اطلاع ہوئی ایام عزا کی مجالس کے ذریعے انھوں نے مومنین کو مطلع فرمایا خطیب اکبر مرزا محمد اطہر صاحب قبلہ کو بمبئی میں اطلاع ملی تو آپ نے مجلس میں خطابت سے قبل انتقال کی اطلاع دی اور مومنین سے سورۂ فاتحہ کی گذارش کی۔

دوسرے دن علی الصباح سوگواروں کا زیارت کے لیے تانتا بندھ گیا بزرگ عالم فقیہ ذاکر حسین کو الوداع کہنے کے لیے اشکبار مومنین سینہ کوبی کرتے ہوئے شریعتکدہ پر حاضر ہونے لگے۔ تقریباً ۹ بجے جنازہ اٹھا کر شبیہ نجف کے میدان لایا گیا۔ جہاں تاج العلماء مولانا محمد ذکی صاحب قبلہ نے نماز جنازہ پڑھائی وہاں سے جنازہ روضۂ کاظمین لایا گیا۔ یہاں امیر العلماء مولانا حمید الحسن صاحب قبلہ پرنسپل مدرسۂ ناظمیہ لکھنؤ نے نماز جنازہ پڑھائی اور روح الملۃ مولانا سید علی ناصر سعید عبقاتی نے مصائب سید الشہدا بیان فرمائے



گیارہ بجے دن میں جنازہ لکھنؤ سے اہہٹ ضلع سلطان پور لے جایا جانے لگا مومنین شدت گریہ سے نڈھال تھے کچھ جوش عقیدت میں نعش رکھی ہوئی گاڑی سے لپٹے ہوئے تھے اور آگے بڑھنے میں مانع ہو رہے تھے۔ بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر تڑپتے بلکتے سوگواروں کو علیحدہ کیا گیا لگ بھگ تین بجے سہ پہر کو جنازہ ان کے وطن اہہٹ میں پہونچا، سوگوار آبادی سے کچھ دور اپنے بزرگ محسن، ہر ایک کا دکھ درد سمیٹنے والے کا استقبال کرنے کے لیے موجود تھے، جنازہ نعش گاڑی سے اتارا گیا اور وہاں سے علم کے سائے میں ماتم کرتے ہوئے جامع مسجد اہہٹ جسکی تعمیر و تجدید سے مرحوم کو ہمیشہ دلچسپی رہی پہونچایا گیا۔ وہاں حجۃ الاسلام مولانا محمد حسین صاحب نجفی پروفیسر جامعہ ناظمیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ۵ بجے شام کو ہزاروں سوگوار مومنین طلباء، خطباء علماء کی موجودگی میں آپ کے خاندانی حسینیہ کے صحن میں جسد خاکی کو سپرد لحد کر دیا گیا۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ
الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔